اموال زکاۃ کی سرمایہ کاری

ایفا پبلیکیشنز

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

[غرباء کو زکوۃ کے ذریعہ فائدہ پہنچانے کے لئے کیا اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے؟ اس اہم مسئلہ پر ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء کو جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد لکھنؤ میں منعقد ہونے والے تیرہویں فقہی سمینار کے علمی مقالات، اہل علم کے مناقشات اور اجتماعی طور پر طے پانے والے تجاویز کا مجموعہ]

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

نام کتاب : اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

صفحات : ۲۸۱

قیمت : ۱۰۰ روپے

سن طباعت : جولائی ۲۰۱۰ء

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگا بائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

فون: 011-26983728, 26981327

ای میل: ifapublications@gmail.com

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

فہرست مضامین

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

تیسرا باب (مختصر تحریریں)

چوتھا باب اختتامی امور

☆☆☆

ابتدائیہ

اسلام کے نظام معیشت کی بنیادی خصوصیت انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ دولت کی زیادہ سے زیادہ تقسیم اور اس کو ارتکاز سے بچانا ہے، اسی کی ایک عملی مثال زکوۃ کا نظام ہے۔ زکوۃ کا واجب قرار دیا جانا ایک طرف اس بات کی دلیل ہے کہ سرمایہ دار خود اپنی دولت کا مالک ہے اور وہ جائز راستہ میں اسے صرف کرسکتا ہے، دوسری طرف اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ انسان کی دولت میں سماج کے غریب لوگوں کا بھی حق ہے، یہ حق متعین طور پر ڈھائی فیصد سے لے کر بیس فیصد تک ہے، جو مختلف اموال میں زکوۃ کی مقررہ شرح ہے، اور بطور نفل اپنی ضروریات کے بعد غرباء پر جتنا خرچ کرے اتنا ہی بہتر ہے۔

زکوۃ کا بنیادی مقصد غرباء کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، اسی لئے زکوۃ کے زیادہ تر مصارف اسی طبقہ سے متعلق ہیں، افسوس کہ زکوۃ نکالنے کا جو اہتمام ہونا چاہئے وہ مفقود ہے، اس لئے امت میں نکبت و افلاس، معاشی پسماندگی اور گداگری کھلے عام نظر آتی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تمام لوگ زکوۃ ادا کریں تو کوئی بھوکا نہیں رہے گا، آپ ﷺ کے اس ارشاد کو عصر حاضر کے بعض اہل علم نے حسابی تخمینوں کے ذریعہ بھی ثابت کیا ہے۔

اس پس منظر میں ایک رجحان یہ ہے کہ اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری کی جائے تاکہ زیادہ عرصہ تک اور زیادہ سے زیادہ فقراء کو اس سے استفادہ کا موقع ملے نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زکوۃ کی مقدار اس کے مصارف اور اس کی ادائیگی سے متعلق قواعد وضوابط عام طور پر قرآن و

حدیث میں صراحت ووضاحت کے ساتھ بیان کردیئے گئے ہیں، اس میں قیاس واجتہاد کی بہت کم گنجائش ہے اور فقہاء نے اپنے اجتہادات میں بھی اس کو پیش نظر رکھا ہے، اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی انہی حدود کے اندر کی جائے۔

چنانچہ موضوع کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اکیڈمی نے اپنے تیرہویں فقہی سمینار منعقدہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد لکھنؤ بتاریخ ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء میں اس کو بھی غور وفکر کا موضوع بنایا، یہ مجموعہ اسی سمینار میں پیش ہونے والے مقالات پر مشتمل ہے جس کو چار ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے: پہلا باب تمہیدی امور کا ہے، دوسرے باب میں تفصیلی مقالات ہیں، تیسرے باب میں مختصر تحریریں ہیں اور چوتھے باب میں سمینار کے درمیان ہونے والے مناقشات ہیں، قارئین انشاء اللہ محسوس کریں گے کہ شرعی اصولوں کے دائرہ میں رہتے ہوئے زکوۃ کو غربت اور بے روزگاری کے دور کرنے کے لئے کس طرح استعمال کیا جائے؟ اس پر بڑی احتیاط اور دور بینی کے ساتھ فیصلے کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالی جناب مفتی احمد نادر القاسمی صاحب (رفیق شعبہ علمی) کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے توجہ اور خوش سلیقگی کے ساتھ اس کی ترتیب وتصحیح کا کام انجام دیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی اسے قبول فرمائے اور اس علمی کاوش کو اس بات کا ذریعہ بنائے کہ امت فقر اور افلاس کے اس دلدل سے نکل سکے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فقر انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

جنرل سکریٹری

۲/جون ۲۰۰۹ء

۸/جمادی الاخری ۱۴۳۰ھ

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

زکوۃ کے نئے مسائل (استثمار وغیرہ) کی بابت تجاویز مرتب کرنے کے لئے تیرہویں فقہی سمینار (منعقدہ ۱۳ تا ۱۶/ اپریل ۲۰۰۱ء مطابق ۱۸ تا ۲۱/ محرام الحرام ۱۴۲۲ھ) میں جو کمیٹی تشکیل دی گئی اس کے ارکان نے اس موضوع پر اکیڈمی کو موصول ہونے والے مقالات اور تحریروں، سمینار کے دوران ہونے والی بحثوں اور بعض علمی مجامع کے فیصلوں کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل تجاویز باتفاق آراء مرتب کیں:

۱- بہت سے ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور اقتصادی بدحالی کا استحصال کرتے ہوئے غیر مسلم مشنریاں اور قادیانی مبلغین سرگرم عمل ہیں، اور غریب اور ناواقف مسلمانوں کی امداد کرکے اور انہیں اپنے قریب لاکر ان کے ایمان وعقیدہ کو بدلنے کی کوشش کررہے ہیں، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ محتاج ونادار مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا فوری طور پر مداوا کیا جائے، انہیں فقر وفاقہ کے اس چنگل سے نکالا جائے جس نے ان کے دین وایمان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، ایسے مسلمان اموال زکوۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ہر ملک اور علاقہ کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے نادار اور محتاج مسلمانوں کو خاص طور پر اموال زکوۃ دیں اور اگر اموال زکوۃ اس کے لئے کفایت نہ کریں تو دوسری مدات خیر سے ان کا تعاون کریں۔

۲- فقراء ومساکین کوزکاۃ کا جو مال دے دیا انہیں اس مال پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر کسی فقیر ومسکین یا چند فقراء نے زکاۃ لینے کے بعد اسے استثمار یا تجارت وغیرہ میں لگادیا تاکہ زکاۃ کی اس رقم سے آئندہ بھی فائدہ پہنچتا رہے تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

۳- زکاۃ دینے والے شخص یا زکاۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکاۃ میں نکالی ہوئی رقوم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگادینا تاکہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء ومساکین اور دیگر مستحقین زکاۃ پر تقسیم کی جاتی رہے، جائز نہیں، اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

۴- فقراء کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ فقیر جس پیشے اور صنعت سے وابستہ ہے، یا جس پیشے کو شروع کرسکتا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی مشین یا آلات صنعت وحرفت زکاۃ کی رقم سے خرید کر بطور ملکیت دے دئے جائیں یا فقیر کی تجارتی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی دوکان اسے مالکانہ طور پر زکاۃ کی رقم سے بنا کر دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

۵- اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کرکے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۶- ادائے زکاۃ کے وقت اس کو بہر حال ملحوظ رکھا جائے کہ مقامی محتاج ومستحقین محروم نہ رہ جائیں۔

☆☆☆

سوالنامہ

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

دورِ حاضر میں دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی نا قابل بیان ہے، افریقہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں مسلمانوں کی جہالت اور اقتصادی بدحالی کا استحصال کرتے ہوئے عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کررہی ہیں، قادیانی اور بعض دوسرے گمراہ فرقے بھی مسلمانوں کے فقر وفاقہ کا فائدہ اٹھا کر اقتصادی امداد کے نام پر پہلے غریب وناخواندہ مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانستے ہیں اور پھر ان میں اپنے باطل افکار وعقائد کا پرچار کرتے ہیں، مسلمانانِ عالم کے لئے حد درجہ شرم وافسوس کی بات یہ ہے کہ انڈونیشیا، بنگلہ دیش اور افغانستان جیسے مسلم اکثریتی ممالک میں بھی کرسچین مشنریاں کامیابی کے ساتھ اپنا کام کررہی ہیں اور غریب وبدحال مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ پر ڈاکے ڈال رہی ہیں، اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا فوری طور پر مداوا کیا جائے، انہیں فقر وفاقہ کے اس چنگل سے رہائی دلائی جائے جس نے ان کے دین وایمان کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے اور بے شمار مسلمان خطرۂ ارتداد کی زد میں ہیں۔

اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دین سے آشنا ہوں اور ان کے پاس وہ علوم وفنون ہوں جن کے ذریعہ وہ اپنا رزق کما سکیں۔

فقر و فاقہ زدہ مسلم ممالک اور مسلم اقوام کی مالی و اقتصادی امداد کے لئے خود مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی کوششیں مطلوبہ معیار و مقدار سے بہت کم ہیں، اسی لئے دوسرے مذاہب اور گمراہ فرقوں کے لوگوں کو ان غریب مسلمانوں کو رجھانے اور اپنے باطل مذاہب وافکار کی طرف بلانے کا بہترین موقع ہاتھ آیا ہے۔

الحمد للہ کچھ افراد اور جماعتوں نے اس صورت حال کے تدارک کی کوششیں شروع کردی ہیں اور اہل خیر کے تعاون سے بڑا فنڈ جمع کر کے فلاکت زدہ مسلمانوں کی فوری ضرورت پورا کرنے ،ان کی اقتصادی حالت بہتر بنانے اور انہیں اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔

لیکن اس مقصد کے لئے حاصل ہونے والی رقوم کا بہت بڑا حصہ مد زکاۃ کا ہوتا ہے، اس لئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ زکاۃ کی رقوم اس طور پر خرچ کی جائیں کہ زکاۃ دہندگان کی زکاۃ ادا ہو جائے۔

کچھ افراد اور جماعتوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ زکاۃ کی رقوم حاجت مندوں پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں تقسیم کرنے کے بجائے ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کردی جائے یا اسے کسی اور نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے اور اس کارخانہ، فیکٹری اور کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو فقراء میں تقسیم کیا جائے تاکہ ہر سال کی زکاۃ کھاپی کر برابر نہ ہو جائے، بلکہ اس سے آمدنی کے ایسے مستقل ذرائع پیدا ہوں جو مستقل طور پر فقراء کی ضرورت پوری کریں اور زکاۃ کی رقوم سے وجود میں آنے والے کارخانوں اور فیکٹریوں میں حتی الامکان مستحقین زکاۃ ہی کو ملازم رکھا جائے تاکہ وہ فقر و فاقہ کے دلدل سے نکل سکیں ،بعض افراد اور جماعتوں نے ایسی بعض اسکیموں پر عمل بھی شروع کردیا ہے،اس سلسلہ میں چند سوالات ہیں جو آپ ارباب علم وتحقیق کی خدمت میں پیش ہیں:

سوال نمبر (۱):

(الف) دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکاۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے یا نہیں؟ یعنی زکاۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ قاہم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکاۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے گا، شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اموال زکاۃ کے استثمار کے جائز ہونے کے دلائل اور اسباب و وجوہ پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کی زحمت کریں۔

(ج) اس ذیل میں یہ بھی وضاحت کریں کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحق زکاۃ کو مالک بنانا) ضروری ہے یا نہیں؟ اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری ہو رہی ہے یا نہیں؟

سوال نمبر (۲):

زکاۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات، دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

سوال نمبر (۳):

فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس میں اگر کوئی شرعی قباحت ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

''استثمار باموال الزکوۃ'' کا سوال نامہ آپ حضرات کے پیش نظر ہوگا، اس سوال نامہ کے جواب میں فقہ اکیڈمی کو اکتیس تحریریں موصول ہوئی ہیں، کچھ تحریریں تفصیلی ہیں اور بعض مختصر ہیں۔

''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' کے زیر تربیت فضلاء کی تحریریں بھی اس موضوع پر موصول ہوئیں۔

اس سوال نامہ میں تین سوالات اٹھائے گئے ہیں:

سوال نمبر ۱: (الف) میں دریافت کیا گیا ہے: زکوۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے یا نہیں، یعنی زکوۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کردیا جائے شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۱ کے جزء (ب) میں استثمار کے جائز یا ناجائز ہونے کے دلائل اور اسباب و وجوہ پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا گیا ہے، اور جزء (ج) میں دریافت کیا گیا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

کے لئے تملیک ضروری ہے یا نہیں؟ اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری ہو رہی ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۱ کے مرکزی سوال (جزء الف) کے جواب میں مقالہ نگاروں کی غالب اکثریت نے بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اموال زکوۃ کے استثمار کی شرعاً گنجائش نہیں ہے، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

۱-مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، ۲-مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، ۳-مولانا محمد ارشاد قاسمی، ۴-مولانا جمیل احمد نذیری، ۵-مولانا عبدالرحیم بارہ مولہ کشمیر، ۶-راقم سطور عتیق احمد قاسمی، ۷-مولانا عبدالقادر عبد اللہ قادری کیرالا، ۹- مولانا راشد حسین ندوی رائے بریلی، ۱۰-مولانا مصطفیٰ قاسمی دربھنگہ، ۱۱-مولانا محمد اقبال قاسمی دربھنگہ، ۱۲-مولانا محمد کامل قاسمی دہلی، ۱۳-مولانا عبدالرشید قاسمی جونپور، ۱۴-مولانا ابرار خاں ندوی جے پور، ۱۵-مولانا عطاء اللہ قاسمی کوپا گنج، ۱۶- مولانا نیاز احمد عبدالحمید ڈومریا گنج، ۱۷- مولانا محمد نور قاسمی جے پور، ۱۸-مولانا محمد صادق مبارکپور، ۱۹-استاذ جامعۃ الفلاح بلریا گنج، ۲۰-ایک مقالہ نگار جن کا نام و پتہ غائب ہے۔

غیر علماء میں سے حکیم ظل الرحمٰن اور شوکت صبا صاحب کی رائے بھی استثمار کے ناجائز ہونے کی ہے۔

درج ذیل علماء نے تفصیلات اور شرائط میں کافی اختلاف کے ساتھ فی نفسہ استثمار کے جواز کی رائے ظاہر کی ہے، پھر ان میں سے بعض نے فی نفسہ جائز ہونے کے بعد سد ذرائع کے طور پر اس کے ممنوع ہونے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔

۱-مولانا ارشاد احمد اعظمی بھوپال، ۲-مولانا ابوالعاص وحیدی، ۳-مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، ۴-مولانا اسرار الحق سبیلی، ۵-مولانا ابوسفیان مفتاحی، ۶-مولانا سلطان احمد اصلاحی، ۷-مولانا محمد اعظمی، ۸-مولانا قدرت اللہ باقوی۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کی رائے میں اموال زکوۃ کا استثمار اس وقت درست ہوگا، جبکہ زکوۃ دہندگان خود استثمار نہ کریں، بلکہ اسلامی حکومت یا جماعت مسلمین اجتماعی طور پر زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کریں، اسلامی حکومت کے عامل یا زکوۃ کا اجتماعی نظم کرنے والی تنظیموں، یا اداروں کے نمائندوں کے ہاتھ میں زکوۃ دینے سے تملیک کا تقاضا پورا ہوگیا، مسلم حکومت یا زکوۃ کے اجتماعی اداروں کو اختیار ہے کہ اگر وہ مناسب اور مفید سمجھیں تو اموال زکوۃ کا استثمار کریں۔

مولانا اسرار الحق سبیلی نے استثمار کو جائز قرار دیتے ہوئے کچھ دلائل دیئے ہیں، پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تملیک کی شرط صرف حنفیہ کے یہاں ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نہیں ہے، اور اگر ادائے زکوۃ کے لئے تملیک ضروری بھی ہو، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں تو استثمار والی صورت میں تملیک پائی جارہی ہے، موصوف لکھتے ہیں: ''تملیک کے لئے فقیر ہونا ضروری نہیں ہے، عامل، محصل یا فقیر کے سرپرست کو بھی مالک بنانا درست ہے'' لیکن مولانا سبیلی یہ انتباہ بھی دیتے ہیں: ''اموال زکوۃ کے استثمار اور دوسرے منصوبوں پر عمل آوری اسی وقت ممکن ہے جبکہ قوم کے مخلص، ہمدرد، مستعد، بیدار مغز اور تجربہ کار حضرات قوم کو معاشی ترقی دلانے کے جذبہ کے تحت کام شروع کریں اور اس کی سختی سے نگرانی کریں، ورنہ زکوۃ کی جائداد کا وہی حال ہوسکتا ہے جو اب پورے ملک میں اوقافی جائیدادوں کا ہے''۔

مولانا ابوالعاص وحیدی کی رائے میں ''اگر زکوۃ کا اجتماعی نظام ہو تو زکوۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے، زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ذاتی ضروری نہیں ہے'' بلکہ فقراء اور دوسرے مستحقین زکوۃ کی نفع رسانی اور بہبود کا کوئی بھی کام اس سے کیا جاسکتا ہے۔

مولانا حفیظ الرحمن عمری کی رائے ہے کہ زکوۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا تو اموال زکوۃ کو اکتناز واحتکار کے لئے نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ اس کے استثمار کی مفید صورتیں ضرور عمل میں لائی جائیں گی، جن سے زکوۃ کا مقصد پورا ہوتا رہے گا، یعنی مستقبل میں فقر وفاقہ کا ازالہ اور بے روزگاری

کا خاتمہ، لیکن مولانا کی تحریر کے اگلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک استثمار کے جواز کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ زکوۃ لینے والا کوئی نہ ہو، بلکہ ان کی رائے میں فقراء ومساکین کے زیادہ مستحکم تعاون کی صورت یہ ہے کہ زکوۃ کی رقوم سے نفع بخش کارخانے اور صنعتی مراکز قائم کئے جائیں، خواہ اس میں نفع کم ہو، مگر نقصان کا امکان نہ ہو، فقراء اور مساکین کو ان کی قابلیت کے مطابق فرائض تقسیم کر کے انہیں شیئر ہولڈر بنا دیا جائے، اس طرح تملیک کی شرط پوری ہو جائے گی۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کی رائے میں اگر زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کے درمیان وقفہ ہو تو اس وقفہ میں زکوۃ کی رقوم سے قصیر المدت سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، فوری ضرورتوں کی تکمیل سے فاضل سرمایہ کو طویل المدت سرمایہ کاری میں بھی لگایا جاسکتا ہے، مگر اس کا فیصلہ اور انتظام افراد پر نہیں چھوڑا جاسکتا، بلکہ اولوا الامر (مسلمانوں کے ارباب حل وعقد) اور مجلس شوریٰ کے طے کرنے اور انجام دینے کا ہے، یا زکوۃ کے ایسے ادارے جنہیں عامۃ المسلمین کے منتخب نمائندے چلاتے ہوں، باہمی مشورے سے فقراء المسلمین کی صلاح وفلاح کے لئے مختلف مشاریع میں سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔

اصلاحی صاحب کے خیال میں تملیک ضروری ہونے کے دلائل قطعی اور مسکت نہیں ہیں، اور اگر تملیک ضروری ہو تو تملیک انفرادی کے بجائے تملیک اجتماعی کافی ہے جو استثمار میں پائی جارہی ہے، کیونکہ زکوۃ کی رقوم سے کارخانہ، فیکٹری جو قائم ہوگی وہ فقراء، مساکین اور دوسرے مستحقین زکوۃ کے لئے ہوگی، اس کا نفع انہیں پر خرچ ہوگا، اور ان کارخانوں کے خاتمہ پر جو کچھ حاصل ہوگا وہ فقراء ومساکین میں تقسیم ہوگا، ان استثمارات میں اگر اس بات کی صراحت نہ ہو تو ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔

مولانا محمد اعظمی مئو نے استثمار کو جائز قرار دیتے ہوئے قرضاوی صاحب کی متعدد عبارتیں پیش کی ہیں اور بعض اقوال صحابہ سے استیناس کیا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے بھی استثمار کو جائز قرار دیا ہے، لیکن مزید لکھا ہے: البتہ توازن کا دھیان رکھا جائے، امت کی سطح پر زکوۃ کا ایک حصہ ہی اس مد پر صرف ہو، جس سے کہ مصارف زکوۃ کی فوری زکوۃ کے فوری تقاضے مجروح نہ ہوں۔

تملیک کے تعلق سے لکھتے ہیں: عام حالات میں ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک بہتر ہے، صورت مسئولہ میں استحساناً بالواسطہ تملیک کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے صورت مسئولہ کو جائز قرار دیا ہے، اسباب جواز میں فقراء ومساکین کے ساتھ ہمدردی، ان کو کام سے لگانا وغیرہ کو ذکر کیا ہے، اور تملیک کے تعلق سے لکھا ہے: زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط یوں پوری ہوگی کہ مسلم تنظیم کو یا ایک دیندار شخص کو ان فقراء کا وکیل بنا دیا جائے، وہ زکوۃ کی رقوم کو اپنے قبضہ میں لے کر ان فقراء کے لئے صورت مذکورہ کو انجام دے، چونکہ وکیل کا قبضہ شرعاً موکل کا قبضہ متصور ہوتا ہے۔

اموال زکوۃ کے استثمار کو ناجائز قرار دینے والے تمام ہی حضرات نے یہ بات لکھی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق زکوۃ یا اس کے وکیل ونائب کو مالک بنانا ضروری ہے، اور استثمار میں تملیک مستحق نہیں پائی جاتی، اس لئے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ان میں سے کچھ حضرات نے تملیک کے شرط اور لازم ہونے پر کتاب وسنت، اجماع امت، تعامل عہد نبوی وعہد خلافت نبوی سے تفصیلی دلائل پیش کئے ہیں، ان دلائل کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کچھ دیر بعد کیا جائے گا، سردست عدمِ جواز کے دوسرے دلائل واسباب پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ا- زکوۃ کی رقوم سے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنے میں اموال زکوۃ کی بہت بڑی مقدار محبوس ہو جائے گی، اور براہ راست زکوۃ کے مستحقین تک نہیں پہنچے گی، حالانکہ شریعت کو یہ بات مطلوب ہے کہ زکوۃ کے اموال جس قدر ممکن ہو ان کے مستحقین تک پہنچائے جائیں، اموال زکوۃ کو روکے نہ رکھا جائے، خود رسول اکرم ﷺ مال زکوۃ کو روکنا پسند نہیں فرماتے تھے، حتی کہ آپ کو ایک رات بھی مال زکوۃ روکنا گوارا نہیں تھا، بخاری کی روایت ہے:

"عن عقبة بن الحارث رضي الله عنه قال: صلى بنا النبي ﷺ العصر فأسرع ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج فقلت أو قيل له، فقال: كنت خلفت في البيت تبرا من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته" (بخاری، کتاب الزکوۃ، باب من أحب تعجیل الزکوۃ)۔

اسی لئے ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابوالحسن کرخی نے فی الفور ادائیگی زکوۃ کی شرط لگائی ہے، جو استثمار کی صورت میں بہرحال نہیں پائی جاتی، ائمہ احناف نے اگرچہ زکوۃ کو واجب علی التراخی قرار دیا ہے، لیکن انہوں نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ مستحقین تک زکوۃ پہنچانے میں تاخیر نہ کی جائے۔

"فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"والواجب على الأئمة أن يوصلوا الحقوق إلى أربابها ولا يحبسونها عنهم" (فتاوی ہندیہ ۱/۹۱)۔

(ائمہ پر واجب ہے کہ حقوق اصحاب حقوق کو پہنچائیں اور اصحاب حقوق سے حقوق نہ روک رکھیں)۔

اور استثمار کی شکل میں ظاہر بات ہے کہ زکوۃ کا اصل سرمایہ محبوس ہو جائے گا، اور جب امام اور اس کے اعوان کے لئے ان رقوم کا حبس جائز نہیں، حالانکہ وہ مستحقین کے نائب ہوتے ہیں اور زکوۃ ان کو دے دینے سے بالاتفاق ادا ہو جاتی ہے تو غیر امام کو بدرجہ اُولیٰ حبس زکوۃ کی اجازت نہ ہوگی۔

۲- زکوۃ کا مال اس طور پر صرف کرنا ضروری ہے کہ لازمی طور پر وہ مال مصارف زکوۃ میں صرف ہو جائے، اموال زکوۃ سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے میں اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ زکوۃ کی رقم کلی یا جزوی طور پر مصارف زکوۃ میں صرف ہی نہ ہو سکے، کیونکہ اگر یہ کام امانت دار اور تجربہ کار ہاتھوں سے انجام پائے تو بھی کارخانہ اور فیکٹری میں اس کا امکان تو

بہر حال ہے کہ فیکٹری خسارے میں چلی جائے، نجی اور شخصی کارخانوں اور فیکٹریوں کو بھی یہ صورت حال پیش آتی رہتی ہے تو اموال زکوۃ سے قائم ہونے والے کارخانوں میں ایسی صورت حال کا پیش آنا زیادہ قرین قیاس ہے، اس طرح زکوۃ کی بڑی بڑی رقمیں مستحقین زکوۃ تک نہیں پہنچ پائیں گی۔

استثمار کو ناجائز قرار دینے والے بعض حضرات نے سد ذرائع کے اصول کے تحت بھی استثمار کو ناجائز قرار دینے کی بات کہی ہے، لکھتے ہیں: موجودہ حالات میں جبکہ اوقاف کی حالت خود بدتر ہے، سرمایہ کاری کے نام پر چلنے والے مسلم ادارے ناکام اور کرپٹ قرار پاچکے ہیں، اور اس طرح کا عمدہ تصور اپنا وقار کھو چکا ہے، مسلمانوں کی اخلاقی حالت تشویش ناک ہے، سرمایہ دارانہ ذہنیت مذہبی تقدس کو داؤ پر لگائے ہوئے ہے، قاعدہ ''سد الذرائع'' اور قاعدہ ''دفع الضرر أولی من جلب المنافع'' کے تحت ضروری ہے کہ اس خیال کو فتوی شرعی کی تائید حاصل نہ ہو۔

ورنہ اندیشہ ہے کہ غلط قسم کے لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے، زکوۃ کے استثمار کے نام سے اسکیمیں آئیں گی، لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور بالآخر غریب لوگ اس سے محروم ہی رہ جائیں گے۔

لزوم تملیک کے دلائل:

جمہور فقہاء نے ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک کے ضروری ہونے کے بہت سے دلائل ذکر کئے ہیں، انہیں دلائل کا اعادہ استثمار کو ناجائز قرار دینے والے اکثر مقالہ نگاروں نے کیا ہے، چند اہم دلائل کو مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے:

۱- قرآن کریم کی متعدد آیات میں ادائیگی زکوۃ کا حکم لفظ ''ایتاء'' کے ساتھ دیا گیا ہے، ارشاد ہے: ''أقیموا الصلاۃ و آتوا الزکوۃ'' (نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو)۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

"والإيتاء الإعطاء وخص وضع الصدقة في القرآن بالإيتاء"۔

(ایتاء کا معنیٰ اعطاء (دینا) ہے، قرآن میں زکوۃ کی ادائیگی کو خاص طور پر ایتاء سے تعبیر کیا ہے)۔

قرآن کے بے شمار استعمالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب ایتاء کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت چیز سے ہوتو اس سے مالک بنانا مراد ہوتا ہے، اِلا یہ کہ اس کے خلاف کوئی واضح قرینہ موجود ہو، چند آیات ملاحظہ ہوں:

"ومنهم من عاهد الله لئن آتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين، فلما آتاهم من فضله بخلوا به وتولوا وهم معرضون" (توبہ/۷۵، ۷۶)۔

"يأيها النبي إنا أحللنا لک أزواجک التي آتيت أجورهن" (سورۂ احزاب/۵۰، نیز ملاحظہ ہو: بقرہ/۲۲۹، نساء/۴، نور/۳۳، نمل/۳۶)۔

امام کاسانی "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں:

"وقد أمر الله تعالىٰ الملاک بإيتاء الزكوة لقوله تعالى "وآتوا الزكوة" والإيتاء، هو التمليک" (بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

۲- اللہ تعالیٰ مصارف زکوۃ کی تحدید فرماتے ہیں: "إنما الصدقات للفقراء الخ"، (سورۂ توبہ: ۶۰) اور صدقہ تملیک ہے، ابن ہمام لکھتے ہیں: "التمليک هو الركن فإن الله تعالىٰ سماها صدقة وحقيقة الصدقة تمليک المال من الفقير" (فتح القدیر)۔

ابوبکر جصاص رازی اور سرخسی نے بھی اسی طرح کی صراحتیں کی ہیں۔

ادائیگی زکوۃ میں مستحق زکوۃ کو مالک بنانے کے لزوم پر کتاب وسنت کے اہم دلائل کو علامہ ابوبکر کاسانی صاحب "بدائع الصنائع" بڑے اختصار کے ساتھ یکجا کرتے ہیں، موصوف

لکھتے ہیں:

"وأما ركن الزكوة فركن الزكوة هو إخراج جزء من النصاب إلى الله تعالىٰ وتسليم ذلك إليه، يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير، وتسليمه إليه أو إلى يد من هو نائب عنه وهو المصدق، والملك يثبت من الله تعالىٰ وصاحب المال نائب عن الله تعالىٰ في التمليك والتسليم إلى الفقير، والدليل على ذلك قوله تعالىٰ: ألم يعلموا أن الله هو يقبل التوبة عن عباده ويأخذ الصدقات، وقول النبي ﷺ: الصدقة تقع في يد الرحمن قبل أن تقع في يد الفقير" وقد أمر الله الملاك بإيتاء الزكوة لقوله تعالىٰ: "وآتو الزكوة" والإيتاء هو التمليك، ولذا سمي الله تعالىٰ الزكوة صدقة بقوله عز وجل "إنما الصدقات للفقراء" والتصدق تمليك، فيصير المالك مخرجا قدر الزكوة إلى الله تعالىٰ بمقتضى التمليك سابقا عليه، ولأن الزكوة عبادة على أصلنا والعبادة إخلاص العمل بكليته لله تعالىٰ وذلك فيما قلنا: إن عند التسليم إلى الفقير تنقطع نسبة قدر الزكوة عنه بالكلية وتصير خالصة لله تعالىٰ، ويكون معنى القربة في الإخراج إلى الله تعالىٰ بإبطال ملكه عنه لا في التمليك من الفقير، بل التمليك من الله تعالى في الحقيقة، وصاحب المال نائب عن الله تعالىٰ" (بدائع الصنائع ۳۹/۲)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إنما الصدقات للفقراء الخ" (سورۂ توبہ:۶۰) دوسرے مقام پر ارشاد ہے: "وفي أموالهم حق للسائل والمحروم" (سورۂ ذاریات:۱۹) اور لام براہ راست (جیسا کہ شافعیہ کا خیال ہے کہ وہ اسے لام تملیک مانتے ہیں) یا بالواسطہ (جیسا کہ مالکیہ کا خیال ہے کہ لام صیر ورت ہے، یا احناف کا خیال ہے کہ لام عاقبت ہے) تملیک کا فائدہ

دیتا ہے، یعنی انجام کار مقبوض ملک فقیر بن جاتا ہے، مخصوصاً "إنما الصدقات للفقراء" میں حصر اور قصر کے معنی نے تملیک کو مزید پختہ کر دیا ہے۔

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک کے ضروری ہونے کی ایک قوی دلیل حضرت معاذ بن جبل سے مروی وہ حدیث ہے جس کو شہرت واستفاضہ کا مقام حاصل ہے، بخاری سمیت تمام کتب حدیث میں وہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

"**إنک تأتي قوما من أهل الكتاب فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، فإن هم أطاعوک لذلک فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في اليوم والليلة، فإن هم أطاعوک لذلک فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنياء هم فترد على فقراء هم..**" (صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب اول، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا...)۔

تملیک کے تعلق سے اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدقۂ فرض (زکوۃ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اغنیاء سے اس کا "اخذ" (لینا) ہوگا، اور فقراء پر اس کا "رد" (واپس کرنا) دینا ہوگا، "اخذ" اور "رد" دونوں مقابل الفاظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی کا رد ہوگا، ظاہر ہے کہ زکوۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مال زکوۃ کا مالک بنا دیا جائے گا، جس پر فقہاء نے زور دیا ہے۔

"اخذ ورد" کا یہ عمل اسلامی حکومت کرے گی اور اس کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کے ارباب حل وعقد کر سکتے ہیں، اخذ ورد کے اس عمل میں اسلامی حکومت ایک واسطہ کا کام دیتی ہے، حکومت کو یہ اختیار نہیں کہ فقراء کی طرف ملکیت منتقل کرنے کے بجائے مال زکوۃ پر اپنی ملکیت قائم کرے اور فقراء کو صرف اس کے منافع سے بہرہ ور کرے، کیونکہ ایسی صورت میں اس نے

اغنیاء سے جس چیز کا اخذ کیا اسے فقراء کی طرف واپس نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آخری صدیوں تک زکوۃ کی ادائیگی اور تقسیم کا یہی طریقہ رائج تھا، زکوۃ فقراء، مساکین اور دوسرے مستحقین کو بہ طور ملکیت دے دی جاتی تھی، تاریخ اسلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں ملتی کہ زکوۃ کو فقراء میں تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایسی رفاہی اور فلاحی اسکیم میں لگائی گئی ہو جس کا نفع فقراء کو پہنچتا ہو اور ملکیت ان کی طرف منتقل نہ ہوتی ہو، یا اموال زکوۃ کا استثمار کر کے اس کا نفع مستحقین زکوۃ میں تقسیم کیا گیا ہو۔

اموال زکوۃ کے استثمار کو ناجائز قرار دینے والے حضرات نے لزوم تملیک کے اوپر ذکر کردہ دلائل کے علاوہ مختلف فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والے فقہاء کی تصریحات بھی لزوم تملیک کے لئے پیش کی ہیں اور یہ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ تملیک کی شرط صرف فقہاء احناف کے یہاں ہے، دوسرے مسالک کے فقہاء کے یہاں نہیں ہے، ان میں سے چند غیر حنفی فقہاء کی تصریحات نقل کی جاتی ہیں۔

امام نووی شافعی ''المجموع شرح المهذب'' میں زکوۃ کے پانچویں مصرف ''في الرقاب'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قال الشافعي والأصحاب: يصرف سهم الرقاب إلى المكاتبين، هذا مذهبنا، وبه قال أكثر العلماء ... واحتج أصحابنا بأن قوله عز وجل: (وفي الرقاب) كقوله تبارك وتعالىٰ: (وفي سبيل الله) وهناك يجب الدفع إلى المجاهدين، فكذا يجب هنا الدفع إلى الرقاب، ولا يكون دفعاً إليهم إلا على مذهبنا۔ وأما من قال يشترى به عبيد فليس بدفع إليهم، وإنما هو دفع إلى ساداتهم، ولأن في جميع الأحناف يسلم السهم إلى المستحق ويملكه إياه، فينبغي هنا أن يكون لذلک،لأن الشرع لم يخصهم بقيد يخالف غيرهم''

(المجموع شرح المهذب ۱۳۶/۶)۔

مشہور حنبلی فقیہ علامہ شمس الدین مقدسی (محمد بن مفلح ۷۶۳ھ) ''کتاب الفروع'' میں لکھتے ہیں:

''ویشترط في إخراج الزکوة تملیک المعطي فلا یجوز أن یغدي الفقراء والمساکین ویعشیهم ولا یقضی منها دین میت غرمه لمصلحة نفسه أو غیره، حکاه أبو عبید وابن عبد البر لعدم أهلیته لقبولها کما لو کفنها منها''

(کتاب الفروع ۶۱۹/۲)۔

اسی طرح کی صراحت صاحب ''کشاف القناع'' علامہ بہوتی حنبلی نے بھی کی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فئ اور زکوۃ کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وأیضا فالزکوة یعتبر فیها المستحق ولا یجوز صرفها إلی من لا یملک، بخلاف مال الفئ، فإنه یصرف في المصالح العامة کسد البثوق وکری الأنهار وعمارة القناطر'' (الاستخراج لاحکام الخراج ص ۱۱۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے دلائل، عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ وغیرہ کے مسلسل تعامل اور مختلف مسالک کے فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوۃ کے مستحقین (خصوصاً ابتدائی چار مصارف) کو مالک بنائے بغیر زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، اور سوال نامہ میں درج استثمار کی صورت میں مستحق زکوۃ کو مالک بنانا نہیں پایا جا رہا ہے، اس لئے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

سوال نامہ میں درج استثمار کی صورت کو جائز قرار دینے والے حضرات نے جو دلائل واسباب بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱- اموال زکوۃ کے استثمار کو جائز قرار دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ فکر وتصور ہے کہ ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک مستحق لازم ہے اور استثمار میں تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، جبکہ تملیک کا رکن یا شرط ہونا خود محل نظر ہے، اس کے دلائل مخدوش ہیں، کیا ضروری ہے کہ ''إنما

الصدقات للفقراء والمساكين"میں لام کو تملیک ہی کے لئے مانا جائے، اسے اختصاص یا انتفاع کے لئے کیوں نہ مانا جائے؟

۲- ادائیگی زکوۃ کے واسطے تملیک لازم نہ ہونے پر مولانا اسرار الحق سبیلی نے امام نووی کی اس عبارت سے بھی استدلال کیا ہے:

"الإمام بالخيار إن شاء سلم الفرس والسلاح والآلات إلى الغازي أو ثمن ذلك تمليكاً له، فيملكه وإن شاء استاجر ذلك له وإن شاء اشترى من سهم سبيل الله سبحانه وتعالىٰ افراساً وآلات الحرب وجعلها وقفاً في سبيل الله ويعطيهم عند الحاجة ما يحتاجون إليه، ثم يردونه إذا انقضت حاجتهم"(المجموع شرح المهذب ۶/ ۲۱۳-۲۱۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک تملیک شخصی کی اہمیت نہیں ہے، علامہ جزیری کی "فقہ علی المذاہب الاربعہ" کے حوالہ سے مالکیہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔

۳- اگر تملیک ضروری ہی قرار دی جائے تو کیا ضروری ہے کہ تملیک شخصی اور انفرادی ہی ہو، سلطان یا اس کے عامل کی طرف سے یا ارباب حل وعقد کے متعین کردہ محصلین کی طرف سے قبضہ کرنا تملیک ہوجانا چاہئے، کیونکہ یہ لوگ فقراء کے نائب اور نمائندے ہیں، ان کا قبضہ مستحقین زکوۃ کا قبضہ ہے، اس طرح تملیک کا تقاضا پورا ہوگیا۔

۴- بعض حضرات نے استثمار کے جواز پر خلافت راشدہ کے دور کے بعض ایسے واقعات سے استدلال کیا ہے کہ بعض لوگوں کو بیت المال سے کچھ رقم بہ طور قرض تجارت وغیرہ کرنے کے لئے دی گئی، مولانا محمد اعظمی مئو نے بخاری کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے:

"إن عائشة قالت لما استخلف أبوبكر الصديق قال: لقد علم قومي إن حرفتي لم تكن تعجز عن مؤنة أهلي وشغلت بأمر المسلمين فسيأكل آل أبي بكر من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه"(صحیح بخاری ۱/ ۲۷۸)۔

استدلال اس طرح کیا ہے: اس حدیث میں ''یحترف'' کا لفظ بہت جامع ہے جو بیت المال کو کثیر المنافع اور زیادہ بار آور بنانے کے لئے اضافہ زکوۃ کی تدبیر، تجارت، حرفت، صنعت، زراعت اور دوسرے ذرائع استعمال کرنے پر دلیل صریح ہے۔

استدلال کرنے والے نے ''یحترف للمسلمین'' کا مفہوم ابن حجر کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بیت المال کا مال لوگوں کو تجارت کرنے کے لئے دیتے تھے اور اس کا نفع مسلمانوں پر صرف کرتے تھے، اور بیت المال کا ایک بڑا ذریعہ آمدنی زکوۃ کے اموال تھے وہ بھی تجارت میں لگاتے ہوں گے۔

۵۔ بعض حضرات نے اس حدیث نبوی سے استدلال کیا ہے:

''إن النبي خطب الناس فقال: ألا من ولي يتيماً له مال فليتجر فيه ولا يتركه حتى تأكله الصدقة'' (سنن الترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ما جاء فی زکوۃ مال الیتیم)۔

طرز استدلال یہ ہے: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی بے سہارا کے پاس اگر سرمایہ چھوڑ دیا جائے تو وہ چند دنوں میں اسے ختم کر کے پھر دست سوال دراز کرے گا، اگر اس کے موجودہ مال کو تجارت میں لگا دیا جائے تو یہ اس کے لئے مستقل روزگار کا ذریعہ بن جائے گا، مسکینوں کے اموال زکوۃ میں تجارت کرنے سے بھی ان کے لئے مستقل روزگار کا ذریعہ بن جائے گا اور ان کی مالی حالت بہتر ہو جائے گی۔

اس حدیث سے استدلال مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی نے کیا ہے۔

ترجیح:

اموال زکوۃ کے استثمار کو ناجائز اور جائز قرار دینے والوں کے دلائل کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے بعد عرض ہے کہ میرے نزدیک ناجائز قرار دینے والوں کے دلائل کا وزن بہت زیادہ ہے، یہ واقعہ ہے کہ استثمار کی صورت میں مستحق زکوۃ کو مالک بنانے کی شرط جو ایک متفق علیہ اور بنیادی شرط ہے، پوری نہیں ہوگی، اموال زکوۃ کا مستحقین زکوۃ سے حبس لازم

آئے گا، اس بات کا قوی اندیشہ ہوگا کہ استثمار کردہ مال زکوۃ کلی یا جزئی طور پر ہلاک ہو جائے ،اسے نقصان لاحق ہو جائے اور وہ مال مستحقین تک نہ پہنچ سکے،اس دور میں جبکہ مسلمان اجتماعیت کھوتے جارہے ہیں اور دیانت وتقویٰ کا فقدان ہوتا جارہا ہے اس بات کا پورا خطرہ ہے کہ استثمار کو جائز قرار دینے کی صورت میں بہت سے ''حوصلہ مند افراد'' مستحقین زکوۃ کی فلاح وبہبود کے نام پر استثمار کی خوبصورت اسکیمیں تیار کریں اور مسلمان اہل ثروت کو اپنی طرف مائل کرلیں،اس طرح اموال زکوۃ کا ایک بڑا حصہ فقراء ومساکین کے فقر ومسکنت کا مداوا بننے کے بجائے اہل ثروت کی تجوریاں بھر دے اور اس کے ذریعہ وہ لوگ اپنا کاروبار چمکانے کی کوشش کریں۔

اس ترجیح کے بعد استثمار کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱،۲-دلیل نمبر ۱،۲ کا حاصل یہ ہے کہ تملیک کا ادائیگی زکوۃ کے لئے شرط ہونا محل نظر ہے،کیونکہ کیا ضروری ہے کہ ''إنما الصدقات للفقراء والمساکین'' میں لام کو ملک کے لئے مانا جائے،اسے انتفاع یا اختصاص کے لئے بھی مانا جاسکتا ہے،پھر فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کی بعض تصریحات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ادائیگی زکوۃ کے لئے مستحق زکوۃ کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے۔

ان دونوں استدلالوں کا جواب یہ ہے کہ ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک کے لازم ہونے کی بنیاد صرف ''إنما الصدقات للفقراء'' کے 'لام' پر نہیں ہے،بلکہ تملیک لازم ہونے کے بہت سے دلائل ہیں،اسی لئے وہ فقہاء بھی تملیک ضروری قرار دیتے ہیں جو ''إنما الصدقات للفقراء ...'' میں لام کو ملک کے لئے نہیں مانتے (مثلاً حنفیہ مالکیہ)،تملیک کے دلائل کتاب وسنت وغیرہ سے گذر چکے ہیں۔

جہاں تک ''فی سبیل اللہ'' کے حصہ کے بارے میں مالکیہ اور شافعیہ کی بعض عبارتوں کا

مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں عرض ہیں:

۱- تمام مسالک کے فقہاء کی عبارتیں تملیک کے ضروری ہونے کے بارے میں گزر چکی ہیں، خصوصاً اولین چار مصارف زکوۃ (فقراء، مساکین، عاملین، مولفہ قلوب) کے بارے میں فقہاء اسلام کے یہاں کوئی ایسی عبارت اور صراحت نہیں ملتی جو لزوم تملیک کے نظریہ سے ٹکراتی ہو، اسی لئے ڈاکٹر یوسف القرضاوی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی چار مصارف میں تملیک کے لزوم پر اتفاق ہے۔

اور اموال زکوۃ کے استثمار کی گفتگو خصوصاً فقراء اور مساکین کے تعلق سے کی جارہی ہے جن کے حصوں میں تملیک کا لزوم متفق علیہ ہے۔

۲- آخری چار مصارف جن کا ذکر "فی" کے ساتھ ہے، ان کے بارے میں حنفیہ اور باقی تینوں مسالک کے فقہاء کے نقطہ نظر میں ایک بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ان چاروں مصارف (رقاب، غارمین، سبیل اللہ، ابن السبیل) کو بھی حنفیہ ابتدائی چار مصارف کی طرح قرار دیتے ہوئے یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ جس طرح فقراء، مساکین کو زکوۃ کا مال دے دینے سے زکوۃ کی ادائیگی ہوجاتی ہے، خواہ فقراء اس مال کو کسی بھی طرح خرچ کریں، فقراء اس مال کے پورے طور پر مالک ہوجاتے ہیں، ان سے وہ مال کسی حال میں واپس نہیں لیا جائے گا، اسی طرح مکاتب، مقروض، مجاہد اور مسافر کو زکوۃ کا جو مال دے دیا گیا، یہ لوگ اس کے پورے طرح مالک ہوجاتے ہیں، جہاں چاہیں اس کو صرف کرسکتے ہیں، اگر ان لوگوں نے زکوۃ کا مال بدل کتابت، قرض کی ادائیگی، جہاد اور سفر کے اخراجات میں صرف نہیں کیا تو بھی زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی اور ان سے زکوۃ کا مال واپس نہیں لیا جائے گا۔

اس کے برخلاف مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک آخری چار مصارف کو زکوۃ کا مال کامل مالکانہ اختیارات کے ساتھ نہیں دیا جاتا کہ وہ لوگ اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، بلکہ خاص کاموں کے لئے زکوۃ کی رقم ان کو دی جاتی ہے، مکاتب کو بدل کتابت کی

ادائیگی کے لئے، مقروض کو قرض ادا کرنے کے لئے، مجاہد اور مسافر کو جہاد اور سفر کے اخراجات کے لئے، لہذا اگر ان چاروں مصارف کے لوگوں نے زکوۃ کا مال اس کام میں صرف نہیں کیا جس کے لئے انہیں وہ مال دیا گیا تو انہیں زکوۃ کا مال واپس کرنا ہوگا، اس نقطہ نظر کی تعبیر بعض فقہاء نے غیر مستحکم ملکیت سے کی ہے، اور بعض نے اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ آخر کے چار مصارف کو مالک نہیں بنایا گیا ہے، بلکہ انہیں ان کے ایک خاص کام کے لئے زکوۃ کا مال دیا گیا ہے۔

منصور بن یونس بہوتی حنبلی ''کشاف القناع'' میں لکھتے ہیں:

''قاعدة المذهب كما ذكره المجد وتبعه في الفروع وغيره أن من أخذ بسبب يستقر الأخذ به وهو الفقر والمسكنة والعمالة والتألف صرفه فيما شاء كسائر ماله، لأن الله تعالىٰ أضاف إليهم الزكوة بلام الملك، وإن لم يستقر الأخذ بذلك السبب صرفه أي المأخوذ فيما أخذه له خاصة لعدم ثبوت ملكه عليه من كل وجه، وإنما يملكه مراعًا فإن صرفه في الجهة التي استحق الأخذ بها، وإلا استرجع منه، كالذي يأخذه المكاتب والغارم والغازي وابن السبيل'' (کشاف القناع ۲/۲۸۲)۔

تفسیر کشاف کے مشہور ناقد، بلند پایہ مالکی عالم احمد بن محمد بن منصور اسکندری (متوفی ۶۸۳ھ) معروف بہ ابن المنیر ''الانتصاف من الکشاف'' میں آخری چار مصارف پر ''لام'' کے بجائے ''فی'' داخل کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وثم سر آخر وهو أظهر وأقرب، وذلك، أن الأصناف الأربعة الأوائل ملاك لما عساه يدفع إليهم، وإنما يأخذونه ملكا، فكان دخول اللام لاحقا بهم، وأما الأربعه الأواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم بل لا يصرف إليهم ولكن في مصالح تتعلق بهم'' (الانتصاف من الکشاف برحاشیہ کشاف ۲/۱۵۸، ۱۵۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں ملکیت یا ملکیت تامہ لازم نہ ہونے کا اگر کچھ تصور

ہے تو وہ آخری چار مصارف میں ہے، پہلے چار مصارف میں تملیک لازم ہونے پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

پھر ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کے بارے میں یہ جو رائے نقل کی گئی ہے کہ امام المسلمین کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس مد سے جہاد کے آلات خرید لے اور مجاہدین کو ان کا مالک نہ بنائے، بلکہ انہیں استعمال کے لئے دے، پھر ان آلات کو واپس لے لے، یہ اور اس طرح کی چیزیں فقہ شافعی اور فقہ مالکی کی راجح اور طے شدہ رائے نہیں ہے، امام نووی جن کی عبارت کا حوالہ اس سلسلہ میں دیا جاتا ہے، ان کی صراحت پہلے گذر چکی ہے کہ تمام مصارف میں مستحق زکوۃ کو مالک بنانا اور زکوۃ ان مصارف کے حوالہ کرنا ضروری ہے، نووی کی جو عبارت مولانا اسرار الحق سبیلی نے پیش کی ہے اس میں انہوں نے اپنی رائے اور ترجیح ذکر نہیں کی ہے، بلکہ مشائخ خراسان کے حوالہ سے وہ بات نقل کی ہے۔

فقہ مالکی میں بھی وہ ایک قول ہے، ابن عبدالحکم کی رائے ہے کہ فقہ مالکی کا مذہب مختار نہیں، جیسا کہ علامہ قرافی مالکی کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے۔

"الصنف السابع سبيل الله تعالى، وفي الجواهر هو الجهاد دون الحج، خلافا لابن حنبل ... قال ابن عبد الحكم: ويشتري الإمام منها المساحي والحبال والمراكب وكراء النواتية للغزو، وكذلك الجواسيس وإن كانوا نصارىٰ، ويبنى منها حصن على المسلمين ويصالح منها العدو، وقال أبو طاهر: في ذلك قولان: المشهور، المنع؛ لأنهم فهموا من السبيل الجهاد نفسه" (الذخیرۃ للقرافی ۳/ ۱۴۸)۔

۳- استثمار کو جائز قرار دینے والوں کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر تملیک کو لازم بھی مان لیا جائے تو سلطان یا اس کے عامل یا ارباب حل وعقد کے متعین کردہ محصلین کی طرف سے قبضہ کر لینے سے تملیک کا تقاضا پورا ہو گیا، کیونکہ یہ لوگ فقراء کے نائب اور نمائندے ہیں، ان کا

قبضہ مستحقین زکوۃ کا قبضہ ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ سلطان یا اس کے عامل کو شریعت نے اسی حد تک مستحقین زکوۃ کا نائب مانا ہے کہ انہیں زکوۃ حوالہ کر دینے سے زکوۃ نکالنے والے کا ذمہ فارغ ہو چکا، اب اسے یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ میری دی ہوئی زکوۃ کہاں خرچ کی گئی، مصرف میں لگائی گئی یا نہیں، سلطان یا عامل صدقہ کے نائب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب تملیک کا تقاضا پورا ہو گیا، حکومت کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ مستحقین زکوۃ کو زکوۃ کا مال حوالہ کر کے انہیں اس کا مالک بنادے، بلکہ وہ حاصل کردہ اموال زکوۃ کو جس طرح چاہے مستحقین زکوۃ کے مفاد میں استعمال کرے، ان کی فلاح و بہبود کے منصوبے بنائے۔

آیت مصارف (سورۂ توبہ/ ۶۰) کی اولین مخاطب اسلامی حکومت ہے کہ وہ اموال زکوۃ کن مصارف پر صرف کرے اور کیسے صرف کرے، بہت سے حضرات نے اس آیت سے تملیک کا تصور لیا ہے تو گویا زکوۃ کو تملیکاً صرف کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، نیز حدیث معاذؓ میں ''اخذ'' و ''رد'' کا عمل جس کا تعلق اصلاً اسلامی حکومت سے ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حکومت نے اغنیاء سے جو ملکیت لی ہے اسے فقراء کے حوالہ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

فقہاء کی صراحتیں تو اس بارے میں بے شمار ہیں کہ حکومت زکوۃ وصول کرنے کے بعد جب مستحقین پر اس کی تقسیم کرے گی تو اس کے لئے ضروری ہے کہ فقراء و مساکین وغیرہ کو اس کا مالک بنادے تاکہ وہ لوگ اپنی ضرورت اور منشاء کے مطابق اسے صرف کر سکیں۔

۴- مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عبدالعظیم اصلاحی نے استثمار کے جواز پر عہد خلافت راشدہ کے بعض ایسے واقعات سے استدلال کیا جن میں بیت المال سے کوئی رقم بہ طور قرض تجارت کرنے کے لئے دی گئی، مثلاً مولانا سلطان اصلاحی نے طبری اور ابن اثیر کے حوالہ سے یہ روایت درج کی: ''إن هند بنت عتبة قامت إلى عمر بن الخطابؓ، فاستقرضته من بيت المال أربعة آلاف درهم تتجر فيها وتضمنها فاقترضها''۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بیت المال کے لئے مدینہ منورہ کوئی رقم بھیجنی تھی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے دو فرزندوں کو اجازت دی کہ اسے مدینہ لے جاتے ہوئے راستہ میں اس سے تجارت کرسکتے ہیں، وہاں پہنچ کر جب انہوں نے صرف اصل رقم بیت المال میں جمع کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے پورا نفع بھی جمع کرنے کو کہا، اور آخر میں اس معاملہ کو مضاربہ قرار دے کر صرف آدھے نفع پر اکتفا کی۔

یہ استدلال کئی جہتوں سے مخدوش اور غیر مکمل ہے، ہندؓ بنت عتبہ کا واقعہ بیت المال سے قرض لینے اور دینے کا ہے، تجارت اور استثمار کا نہیں ہے، روایت میں صراحت ہے کہ حضرت ہندؓ بنت عتبہ کو قرض کے طور پر مال دیا گیا ہے کہ ان کی تجارت میں نفع ہو یا نقصان انہیں بیت المال کی پوری رقم واپس کرنی ہوگی، پھر روایت میں ایسی بھی کوئی صراحت یا دلالت نہیں ہے کہ وہ قرض زکوۃ کے مال میں سے دیا گیا، اسلام کے مالیاتی نظام پر لکھی کتابوں اور فقہ کی مبسوط کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کی آمدنی کے چار بڑے ذرائع تھے: (۱) خمس، (۲) زکوۃ وعشر، (۳) خراج وغیرہ، (۴) الضوائع۔

ان مدات سے حاصل ہونے والے اموال کا الگ الگ حساب وکتاب ہوتا تھا، ان کے مصارف بھی متعین تھے، ایسا نہیں تھا کہ بیت المال کے تمام مدات کی آمدنی کو ایک دوسرے میں خلط ملط کردیا جاتا ہو، ہر ایک کا علیحدہ حساب وکتاب نہ رہتا ہو، اس لئے کہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ کسی کو بیت المال سے کچھ مال دیا گیا تو ہم یقین کرلیں کہ اس میں زکوۃ کا مال ضرور شامل ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمر بن الخطاب کا واقعہ بھی اصلاً قرض کا مسئلہ ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کے صاحبزادگان کو وہ رقم مضاربت پر نہیں دی، ورنہ یہ ضرور طے کرتے کہ نفع کی صورت میں کتنے فیصد نفع بیت المال کا ہوگا، اور یہ پابندی عائد نہ کرتے کہ بہرصورت پوری رقم (جو قرض لی ہے) بیت المال میں جمع کرنی ہوگی، حضرت عمرؓ کا نفع کا بھی

مطالبہ کرنا کسی عقد کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ اس لئے تھا کہ ان کے بیٹے بیت المال کی رقم سے اس طرح فائدہ نہ اٹھائیں، وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری پر خفا بھی ہوئے کہ انہوں نے ان دونوں کے میرے بیٹا ہونے کی بنا پر یہ مروت اور رعایت روا رکھی ہے، یہ کوئی عقد مضاربت کا معاملہ نہیں تھا کہ اس سے استثمار کے مسئلہ پر استدلال کیا جائے، پھر جبکہ یہ ثبوت بھی نہ ہو کہ حضرت ابو موسیٰ نے یہ رقم زکوۃ کی مد سے دی، ہوسکتا ہے بلکہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ خراج یا خمس وغیرہ کی مد سے یہ رقم دی ہو۔

اسی طرح اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المال کی کچھ رقوم تاجروں کو مضاربت کے طور پر دیتے تھے اور حاصل ہونے والے نفع کو بیت المال میں جمع کرتے تھے، تو اس سے بھی اموال زکوۃ کے استثمار کے جواز پر استدلال درست نہ ہوگا، کیونکہ بیت المال میں زکوۃ کے علاوہ خراج وجزیہ اور خمس وغیرہ کی رقمیں بڑی تعداد میں ہوتی تھیں، ہر مد کی آمدنی کا حساب الگ الگ رہتا تھا، اس لئے عین ممکن ہے کہ خراج وغیرہ کی آمدنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ عمل کیا ہو، کیونکہ خراج وغیرہ کی رقوم میں خلیفۃ المسلمین کے اختیارات کچھ زیادہ ہی وسیع ہیں۔

۵- حدیث نبوی: "ألا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه ولا يتركه حتى تأكله الصدقة" سے استثمار باموال الزکوۃ کے جواز پر استدلال انتہائی کمزور ہے۔

اس حدیث کو اگر من وعن تسلیم کرلیا جائے اور اس کی سند اور معنی پر کوئی بحث وگفتگو نہ کی جائے تو بھی اس حدیث سے زیر بحث مسئلہ پر نہ استدلال درست ہوگا، نہ استیناس۔

یتیم چونکہ نابالغ اور ناتجربہ کار ہونے کی بنا پر اپنے مال میں مناسب تصرف کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے جس شخص کو اس کا وصی مقرر کیا گیا اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ یتیم کے مال کو منجمد چھوڑنے کے بجائے اس میں افزائش اور نمو کی فکر کرے، زکوۃ کے مستحقین تو خود عاقل وبالغ افراد ہیں، وہ اپنے مفادات اور اپنی ضرورت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں، لہذا زکوۃ

کے اموال ان کی ملکیت وتحویل میں دے دینا ہی ان کے مفاد میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''استثمار باموال الزکوۃ'' کے جواز کے تمام دلائل مخدوش اور کمزور ہیں، اس کے مقابلہ میں عدم جواز کے دلائل قوی اور مضبوط ہیں، لہٰذا سوال نمبر ا میں درج استثمار کی صورت شرعاً ناجائز ہے۔

ہاں بعض مقالہ نگاروں نے استثمار کی بعض شکلیں تجویز کی ہیں، ان کے جواز پر غور کیا جاسکتا ہے، مثلاً مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں: ''مستحقین زکوۃ کو معاشی اعتبار سے خود مکتفی بنانے کے لئے یہ صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں:

(الف) کمپنی کے شیئرز بنائے جائیں اور ان شیئرز کا مالک مستحق زکوۃ کو بنادیا جائے، اس طرح فقراء کو مالک بنانے کی شرط بھی پوری ہوجائے گی، ہر پارٹنر کو اس کے شیئرز کا نفع بھی ملتا رہے گا، اور اگر کمپنی کے کاروبار میں فقراء کو ملازم رکھا جائے تو ان کے لئے روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوسکیں گے۔

(ب) زکوۃ کی حاصل شدہ رقم کسی ذمہ دار ادارہ کو متعین مدت کے لئے بہ طور قرض دی جائے، جو اس رقم کو واپس کرنے کا پابند ہو، یہ ادارہ کمپنی قائم کرے، اور اولاً اس کے نفع سے زکوۃ ادا کرے، پھر اس کو فقراء پر وقف کردیا جائے کہ اس طرح اس کا نفع فقراء کو ملتا رہے گا، اور اگر اس میں مستحق زکوۃ اشخاص کو حسب صلاحیت ملازمت دی جائے تو روزگار کے اعتبار سے خود مکتفی کرنے کا مقصد بھی حاصل ہوگا، یہ حل اس پس منظر میں ہے کہ فقہاء نے بیت المال کے ایک صندوق سے دوسرے صندوق کو قرض دینے کی اجازت دی ہے، زکوۃ کی رقم سے اس مقصد کے لئے قرض دینا اسی قبیل سے ہے''۔

مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں:

''البتہ جواز کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مال زکوۃ اور دوسری مدوں کے مشترکہ سرمایہ سے کارخانہ قائم کیا جائے، اس میں جتنا حصہ مال زکوۃ کا ہو اس کے مناسب مقدار میں

حصص کر کے مستحقین کو باقاعدہ ان کا مالک بنا دیا جائے''۔

اگر واقعتہً استثمار کی ضرورت ہے اور مصالح اس کا تقاضا کرتے ہیں تو اس طرح کی متبادل اسکیموں پر غور وخوض کر کے انہیں قطعی شکل دی جاسکتی ہے۔

۲-سوال نامہ کا دوسرا سوال ہے۔

زکوۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیا جائے اور انہیں مکانات، دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اس طرح زکوۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، حتی کہ وہ حضرات بھی جنھوں نے سوال نمبر ۱ کے جواب میں استثمار کو جائز قرار دیا تھا، ان حضرات نے بھی اس صورت کو ناجائز کہا ہے، صرف دو حضرات نے جواز کی بات لکھی ہے: (۱) مولانا ابوالعاص وحیدی، (۲) مولانا قدرت اللہ باقوی۔

مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب کی دلیل یہ ہے: آیت ''إنما الصدقات للفقراء'' میں ''لام'' تملیک کے لئے نہیں ہے، بلکہ منفعت کے لئے ہے...تو جب اموال زکوۃ مستحقین کی فلاح و بہبود میں خرچ ہورہے ہیں اور یہی نظام زکوۃ کی اصل روح ہے، لہذا زکوۃ کی ادائیگی ہوگئی۔
سوال نمبر ۱ کے تحت تملیک پر قدرے مفصل گفتگو کے بعد یہاں کسی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا ارشاد اعظمی صاحب نے اس صورت کو اس شرط کے ساتھ جائز کہا ہے کہ مکانات اور دوکانوں کی تعمیر زکوۃ دہندگان نہ کریں بلکہ اسلامی حکومت یا اس کام پر مامور اسلامی تنظیم کرے۔

سوال نمبر ۳:

فقراء میں زکوۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس میں اگر کوئی شرعی قباحت ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں۔

اس صورت کو تقریباً تمام ہی حضرات نے جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں تملیک (مالک بنانے) کی شرط پائی جارہی ہے۔

بعض حضرات نے جواز کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں، مولانا عطاء اللہ قاسمی لکھتے ہیں: ''بہ شرطیکہ مکانات یا دوکانوں کی مالیت مقدار نصاب کو نہ پہنچتی ہو''۔ مولانا کامل قاسمی کا کہنا ہے: ''اس مستحق کے لئے تعمیر کرا کے دینا درست ہے جو مقروض نہ ہو یا اس کے ذمہ کوئی دوسری ذمہ داری نہ ہو''۔

صورت مسئولہ میں ہمیں دو جہتوں سے غور کرنا ہے: ایک جہت ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد) کے نقطہ نظر سے ہے، اور دوسری جہت حنفیہ کے نقطہ نظر سے، ائمہ ثلاثہ کے نقطہ نظر سے غور کرنے کا پہلو یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں اصل مذہب میں چند مواضع ضرورت کو چھوڑ کر اصل مال زکوۃ کو مستحقین کے حوالہ کرنا ضروری ہے، مال زکوۃ کی قیمت یا مالیت نکالنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، اور اموال زکوۃ سے مکان یا دوکان تعمیر کر کے فقیر کو دینے میں اصل مال زکوۃ کی حوالگی نہیں ہوگی، بلکہ اس کی مالیت کی سپردگی ہوگی، لہذا ائمہ ثلاثہ کے نقطہ نظر سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہونی چاہئے، اِلا یہ کہ بڑے شہروں میں رہائش کی بے پناہ دشواریوں کو دیکھتے ہوئے اسے مواضع ضرورت میں شامل کیا جائے۔

حنفیہ کے نقطہ نظر سے قابل غور بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نصاب زکوۃ سے زیادہ دینا مکروہ ہے، لیکن دے دینے سے زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

نصاب کی اقل مقدار دوسو درہم ہے، اور ظاہر ہے کہ اس دور میں ایک معمولی کمرے اور دوکان کی مالیت بھی دوسو درہم سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے مکان یا دوکان دینے کی صورت میں بہ ظاہر کراہت ہو جانی چاہئے۔

لیکن فقہاء حنفیہ کی تعلیلات پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مکان یا دوکان دینا کراہت کی صورت سے خارج ہے، کیونکہ کراہت کی علت غنی اور صاحب نصاب بنا دینا ہے کہ اس کے لئے زکوۃ لینا حرام ہو جائے، اور مکان چونکہ حوائج اصلیہ میں سے ہے، اس لئے اس کے ملنے سے انسان غنی اور صاحب نصاب نہیں ہوا، جس طرح ایک ایسے مقروض شخص کو جس کے ذمہ دوسروں کا دو ہزار درہم قرض ہے، اکیس سو درہم دینا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ وہ صاحب نصاب نہیں ہوا۔

ہاں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ فقراء اور اہل حاجت کی حاجت پوری کرنے میں ''الأهم فالأهم'' کی ترتیب رکھی جائے، جہاں ایک طبقہ بھوکوں مر رہا ہو وہاں کچھ لوگوں کے لئے زکوۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں فراہم کرنا خلاف عدل ہے، پہلے غذا کی بنیادی ضرورت پوری کی جائے، پھر مکان ودوکان پر توجہ کی جائے۔

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

مال زکوۃ کی سرمایہ کاری اور تملیک کی بعض صورتیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

زکوۃ کا بنیادی مقصد فقراء کی حاجت کو پوری کرنا ہے، چنانچہ قرآن مجید نے زکوۃ کے مصارف میں فقراء و مساکین کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ مخصوص حالات اور دشواریوں سے دوچار مختلف نوع کے حاجت مندوں کا ذکر فرمایا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایسی معاشی تدبیروں کا قائل ہے جو فقراء کو فقر و حاجت کی سطح سے اوپر لائے اور معاشی اعتبار سے ان کو خود مکتفی بنائے، تاہم زکوۃ من جملہ عبادات کے ہے اور عبادات میں قیاس کو بہت کم دخل ہے اور نصوص کے الفاظ اور ان الفاظ کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکم الٰہی کی تعمیل ضروری ہے، اس لئے زکوۃ کے احکام پر غور کرتے ہوئے ان دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اسی پس منظر میں سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں:

۱- اموالِ زکوۃ کی سرمایہ کاری:

(الف) زکوۃ کی رقم کو براہ راست کارخانہ یا فیکٹری کے قیام میں صرف کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، نیز فقراء کو اس میں ملازمت دینا اور اس کا نفع مستحقین میں تقسیم کرنا زکوۃ ادا کرنے کے لئے کافی نہیں، زکوۃ بطور حق مالکانہ فقراء کو ادا کرنا ضروری ہے۔

(ب، ج) زکوۃ ادا کرنے کے لئے قرآن و حدیث میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

☆ ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

ان سب میں تملیک کا معنیٰ پایا جاتا ہے، جیسے " إنما الصدقات للفقراء "(توبہ:۶۰) یہاں جمہور کے نزدیک 'لام' تملیک کے لئے ہے" أقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ " کے الفاظ قرآن میں کئی مواقع پر استعمال ہوئے ہیں اور 'ایتاء' کسی چیز کے مکمل طور پر مالک بنادینے کو کہتے ہیں، اس طرح حدیث میں "ترد في فقرائهم" اور " تقسم في فقرائهم" کے الفاظ آئے ہیں، ان میں بھی مالک بنانے کا معنیٰ پایا جاتا ہے، چنانچہ ائمہ اربعہ کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ زکوٰۃ بغیر تملیک کے ادا نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ رحمۃ الأمہ میں اس پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا گیا ہے:

"واتفقوا علی منع الإخراج لبناء مسجد أو تکفین میت (رحمۃ الأمہ فی اختلاف الائمہ/ ۳۵)۔

اور مال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی مذکورہ صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

سرمایہ کاری کی متبادل صورت:

البتہ مستحقین زکوٰۃ کو معاشی اعتبار سے خود مکتفی بنانے کے لئے یہ صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں:

(الف) کمپنی کے شیر بنائے جائیں اور ان شیئرز کا مالک مستحق زکوٰۃ کو بنادیا جائے اس طرح فقراء کو مالک بنانے کی شرط بھی پوری ہو جائے گی، ہر پارٹنر کو اس کے شیر کا نفع بھی ملتا رہے گا، اور اگر کمپنی کے کاروبار میں فقراء کو ملازم رکھا جائے تو ان کے لئے روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوسکیں گے۔

(ب) زکوٰۃ کی حاصل شدہ رقم کسی ذمہ دار ادارہ کو متعین مدت کے لئے بطور قرض دی جائے، جو اس رقم کو واپس کرنے کا پابند ہو، یہ ادارہ کمپنی قائم کرے اور اولاً اس کے نفع سے زکوٰۃ ادا کرے، پھر اس کو فقراء پر وقف کردیا جائے کہ اس طرح اس کا نفع فقراء کو ملتا رہے گا اور اگر اس میں مستحق زکوٰۃ اشخاص کو حسب صلاحیت ملازمت دی جائے تو روزگار کے اعتبار سے خود مکتفی کرنے کا مقصد بھی حاصل ہوگا، یہ حل اس پس منظر میں ہے کہ فقہا نے بیت المال کے ایک

صندوق سے دوسرے صندوق کو قرض دینے کی اجازت دی ہے، زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد کے لئے قرض دینا اسی قبیل سے ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے مکانات کی تعمیر اور مستحق کو صرف استفادہ کا حق:

زکوٰۃ کے مال سے مکانات اور دوکانوں کی تعمیر، کہ فقراء کو مالک بنائے بغیر ان سے استفادہ کا موقع دیا جائے درست نہیں، اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ یہ اباحت ہے نہ کہ تملیک اور زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے مالک بنانا ضروری ہے "ویشترط أن یکون المصرف تملیکا لا إباحة" (رد المحتار ۲۹۱/۳، بدائع الصنائع ۱۴۳/۳)، اس سلسلہ میں فقہا نے صراحت کی ہے کہ محض رہائش کی سہولت فراہم کرنا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں، علامہ ابن نجیم مصری رقم طراز ہیں:

"الزکوٰة لاتتادی إلا بتملیک عین متقومة فمالو أسکن فقیراً دار ہ سنة بنیة الزکوة لاتجرئه" (البحر الرائق ۲۵۱/۲)۔

فقراء کو دکان و مکان کا مالک بنانا:

یہ سوال زکوٰۃ سے متعلق دو بنیادی مسائل سے متعلق ہے، اول یہ کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی کیا اسی مال زکوٰۃ کا ادا کرنا ضروری ہے یا اس کے بجائے دوسرے مال سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

دوسرے: ایک مستحق زکوٰۃ کو کیا ایک نصاب زکوٰۃ سے زیادہ مالک بنایا جاسکتا ہے؟

پہلے مسئلہ میں مالکیہ، شوافع، اور حنابلہ کے نزدیک بلا عذر اصل مال کے بجائے دوسرے مال سے زکوٰۃ ادا کرنی درست نہیں (المدونة الکبری ۲۵۸/۱، شرح المہذب ۴۳۱/۵) یہی موقف اصحاب ظواہر کا ہے (دیکھئے: نیل الاوطار ۱۷۰/۴) حنفیہ کے نزدیک چونکہ زکوٰۃ کا مقصد فقراء کی تکمیل حاجت ہے اور فقراء کی حاجت بعض اوقات اصل مال کے بجائے دوسرے مال سے ادا

کرنے میں زیادہ بہتر طور پر پوری ہوتی ہے، اس لئے کسی اور مال سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے:

"وجاز دفع القيمة فى الزكاة" (ردالمحتار ۳/۲۱۱، بدائع الصنائع ۲/۲۵، فتح القدیر ۱/۵۰۷، اللباب ۱/۱۴۷)۔

یہی رائے امام بخاری کی ہے (بخاری باب العرض فی الزکوۃ حدیث نمبر ۱۴۴۷)

اور اسی نقطہ نظر کی طرف علامہ ابن تیمیہ کا رجحان معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

" فإن كان أخذ الزكوٰة يريد أن يشترى بها كسوة فاشترى به المال له بها كسوة و أعطاه فقد أحسن إليه، وأما إذا قوم هو الثياب التى عنده، وأعطاها فقد يقومها بأكثر السعر" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۸۰)۔

دوسرے مسئلہ کے سلسلہ میں حنفیہ کی رائے ہے کہ ایک ضرورت مند کو ایک نصاب کی مقدار سے زیادہ دینا مکروہ ہے، لیکن دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی "ويكره أن يعطى الفقير أكثر من مأتى درهم، وإن أعطاه جاز" (التجنیس والمزید ۸۱ مخطوطہ، ہدایہ ۱/۱۸۷) حنفیہ کے یہاں یہ بھی صراحت موجود ہے کہ خود فقراء کے لئے ایک نصاب سے زیادہ قبول کرنا جائز ہے "وهنا بخلاف الفقير فإنه يحل له أن يأخذ أكثر من حاجة" (ردالمحتار ۳/۳۹۰) لیکن یہ حکم عام حالات میں ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ضرورت مندوں کو استفادہ کا موقع مل سکے، خصوصی حالات میں اگر اس کی ضرورت زیادہ رقم کی مقتضی ہو، جیسے مقروض پر قرض زیادہ ہو یا مسافر کو اخراجات سفر کے لئے قدر نصاب سے زیادہ مطلوب ہو تو اس کی ضرورت کے لحاظ سے مقدار نصاب سے زیادہ زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

دوسرے فقہاء کے یہاں مطلق اجازت ہے، دسوقی مالکی کا بیان ہے:

"يجوز أن يدفع من زكاته لفقير واحد أكثر من نصاب، ولو صاربه غنيا" (حاشیہ دسوقی ۳/۱۰۳)۔

فقہا شافعیہ کی رائے ہے کہ ایک محتاج کو اتنا دینا چاہئے کہ اس کی عمر طبعی تک کے لئے کافی ہو جائے۔

"ویعطی فقیر ومسکین کفایة عمر غالب" (بجیرمی علی الخطیب ۲/ ۲۶۴، روضۃ الطالبین ۲/ ۱۸۷)۔

"فأعطینا کل واحد مایخرجه من الفقیر إلی الغنی" (کتاب الام ۲/ ۷۴)۔

حنابلہ نے اتنا لینے کی اجازت دی ہے کہ اس کے زیر پرورش تمام لوگوں کی ضروریات کی کفایت ہو جائے:

"ومن کان ذاعیال أخذما یکفیهم، لأن کل واحد من عائلة مقصود دفع حاجة" (الروض المربع ۱/ ۱۹۹)۔

اور اس سلسلہ میں سب سے اہم بات وہ ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے "موسوعہ فقہ عمرؓ" کے مرتب رقم طراز ہیں:

"یری عمرؓ أن یعطی الفقیر من مال الزکوٰة ما یرفع عنه الفقر و یقبله إلی إنسان مستغن عن الزکاة، فقال إذا أعطیتم فأغنوا" (موسوعہ فقہ عمر/ ۳۶۶)۔

غرض کہ بیک وقت مقدار نصاب سے زیادہ زکوۃ دینی بالاتفاق درست ہے۔

لہذا زکوۃ کی رقم دینے کے بجائے اس سے مکان یا دوکان بنا کر مستحق زکوۃ کو اس کا مالک بنا دینا نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے تاکہ مستقل طور پر اس کی حاجت پوری ہو جائے اور غناء کی دولت سے بھی سرفراز ہو کر آئندہ دست سوال پھیلانے پر مجبور نہ ہو۔

☆☆☆

اموال زکوۃ سے سرمایہ کاری

غور وفکر کے چند پہلو

مولانا عتیق احمد بستوی☆

یہ نقطۂ نظر بہ ظاہر بڑا پرکشش ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کردی جائے یا اسے کسی اور نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے اور اس کارخانہ، فیکٹری اور کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو فقراء میں تقسیم کیا جائے تاکہ ہر سال کی زکوٰۃ کھاپی کر برابر نہ ہو جائے، بلکہ اس سے آمدنی کے ایسے مستقل ذرائع پیدا ہو جائیں کہ جو مستقل طور پر فقراء کی ضرورت پوری کریں اور زکوٰۃ کی رقوم سے وجود میں آنے والے کارخانوں اور فیکٹریوں میں حتی الامکان مستحقین زکوٰۃ ہی کو ملازم رکھا جائے تاکہ وہ فقر وفاقہ کے دلدل سے نکل سکیں، لیکن جب ہم اصول شریعت اور احکام اسلامی پر اس نظریہ کو پرکھتے ہیں تو یہ سراسر کھوٹا اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے بارے میں ایک بنیادی بات یہ پیش نظر ہونی چاہئے کہ زکوٰۃ کی وصول اور صرف محض ایک اقتصادی مسئلہ نہیں ہے جس کے بارے میں کچھ اصولی ہدایات دے کر تفصیلات اور پالیسی طے کرنے کا اختیار خلیفہ، سلطان یا اولوالامر کو دے دیا گیا ہو، بلکہ زکوٰۃ اصلاً ایک عبادت ہے اقتصادی پہلو اس میں ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے، اسی لئے کتاب وسنت میں زکوٰۃ واجب ہونے، اموال زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ نیز مصارف زکوٰۃ کی کافی تفصیل موجود ہے،

☆ استاذ فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

اس لئے کسی خاص مد میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنے اور لگانے سے پہلے ہمیں اس بات کا اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ انہیں مصارف میں اور اسی طریقہ پر صرف ہو رہی ہے کہ نہیں جن کی تحدید اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے۔

سورۂ توبہ کی آیت نمبر ٦ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف حصر کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں حصر کا مطلب یہ ہے کہ ان آٹھ مصارف کے باہر زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

"إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله، والله عليم حكيم" (سورۂ توبہ/٦٠)۔

اس آیت مبارکہ سے پہلے کی دو آیات (٥٨، ٥٩) سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم زکوٰۃ کے بارے میں ہونے والی بعض چہ میگوئیوں کا سد باب کرنے کے لئے واضح اور قطعی طور پر مصارفِ زکوٰۃ کی تحدید کی گئی تا کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف انگلی اٹھانے کا کسی کو موقع نہ رہے، وہ آیات یہ ہیں:

"ومنهم من يلمزك في الصدقات فإن أعطوا منها رضوا وإن لم يعطوا منها اذاهم يسخطون، ولوأنهم رضوا ما آتهم الله ورسوله وقالوا حسبنا الله سيوتينا الله من فضله ورسوله إنا إلى الله راغبون" (سورۂ توبہ/٥٩۔٥٨)۔

مصارفِ زکوٰۃ کی جو تفصیل وتحدید سورۃ توبہ کی آیت ٦٠ میں کی گئی خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی حد درجہ پابندی کی، ان مصارف سے سرِ مو انحراف وخروج کے روادار نہیں ہوئے، جیسا کہ "سنن ابی داؤد" کی درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے:

" حدثنا عبد الله بن مسلمة نا عبد الله يعني ابن عمر بن غانم عن عبدا لرحمن بن زياد انه سمع زياد بن نعيم الحضر مي أنه سمع زياد بن

الحارث الصدائی قال: اتیت رسول اللہﷺ فبایعتہ وذکر حدیثا طویلا فأتاہ رجل فقال: أعطنی من الصدقۃ، فقال لہ رسول اللہﷺ: إن اللہ لم یرض حکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیھا ھو فجزأھا ثمانیۃ أجزاء، فإن کنت من تلک الأجزاء اعطیتک حقک" (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ وحدہ الغنی)۔

۱- (الف) اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ اموالِ زکوٰۃ کا استثمار جائز نہیں ہے، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے، شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے۔

(ب) اموالِ زکوٰۃ کے استثمار کے ناجائز ہونے کے متعدد دلائل اور وجوہ ہیں، ان میں سب سے اہم اور بنیادی دلیل تملیک کا مفقود ہونا ہے جو ادائے زکوٰۃ کے لئے ایک متفق علیہ اور بنیادی شرط ہے، اس پر ہم (ج) کے تحت کچھ تفصیل سے گفتگو کریں گے، یہاں پر ہم کچھ دوسرے دلائل واسباب پر گفتگو کرتے ہیں:

۱- زکوٰۃ کا مال اس طور پر صرف کرنا ضروری ہے کہ لازمی طور پر وہ مال مصارفِ زکوٰۃ میں صرف ہو جائے، اموالِ زکوٰۃ سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے میں اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کلی یا جزوی طور پر مصارف زکوٰۃ میں صرف ہی نہ ہو سکے، کیونکہ اگر یہ کام امانت دار اور تجربہ کار ہاتھوں سے انجام پائے تو بھی کارخانہ اور فیکٹری میں اس کا امکان تو بہرحال ہے کہ فیکٹری خسارے میں چلی جائے یا ڈوب جائے۔

زکوٰۃ کی رقم میں سے دس کروڑ سے ایک فیکٹری کھڑی کی گئی اسے خسارہ لاحق ہو گیا۔ تو زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور مستحقین زکوٰۃ کا پانچ کروڑ کا نقصان ہوا، نجی اور شخصی کارخانوں اور فیکٹریوں کو بھی یہ صورت حال پیش آتی رہی ہے تو اموالِ زکوٰۃ سے قائم ہونے والے کارخانوں میں ایسی صورت حال کا پیش آنا زیادہ قرین قیاس ہے، بہت سے طالع

آزما اور حوصلہ مند قسم کے لوگ استثمار کے نام پر زکوٰۃ کی بڑی بڑی رقمیں جمع کر کے مختلف تجربات میں برباد کر دیں گے۔

۲-احکام زکوٰۃ کا گہرائی سے مطالعہ مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف طور سے محسوس ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کا سال بہ سال کا نظام فوری ضرورت مندوں کی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے ہے، اس کا مقصد مستقل روزگار فراہم کرنا نہیں ہے، اسی لئے تاریخ اسلامی کے کسی دور میں زکوٰۃ کے مال سے استثمار کی اسکیمیں روبہ عمل نہیں لائی گئیں، ایسے کاموں کے لئے اسلامی شریعت نے وقف کا باب کشادہ کر رکھا ہے اور اس پر بڑا ثواب موعود ہے، اگر کچھ اہل خیر کسی بھی طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے یا اسے معاشی طور پر مستحکم کرنے کے لئے کچھ مستقل فلاحی اور رفاہی کام اور استثماری منصوبے رکھتے ہیں تو اس کے لئے صدقات نافلہ اور وقف کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

۲-زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، اس لئے کہ تملیک (مستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنانے) کی شرط نہیں پائی گئی جو ادائے زکوٰۃ کے لئے ناگزیر ہے۔

۳-فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس سے شرعاً زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، کیونکہ تملیک پائی گئی۔

ایسا کرنے میں قباحت کا پہلو اسی وقت آتا ہے جب کچھ فقراء کے لئے آپ رہائشی مکان یا دوکان کا بندوبست کریں اور دوسرے ان سے زیادہ نادار، نان شبینہ کے محتاج فقراء کو بالکل نظر انداز کر دیں۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا) ضروری ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہو رہی ہے، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا شرط ہونا کسی ایک فقہی مسلک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام فقہی مسالک تملیک کے شرط ہونے پر متفق ہیں۔

فقہ حنفی کی صراحت:

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفیؒ (۵۸۷ھ) ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں:

''زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب کا ایک حصہ نکال کر اللہ کے حوالہ کیا جائے اس طور پر کہ مال کا مالک فقیر یا اس کے نائب، یعنی عامل صدقہ کی ملکیت اور قبضہ میں وہ مال دے کر اس مال سے بالکل دست کش ہو جائے، فقیر کی ملکیت اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور فقیر کو مالک بنانے اور فقیر کے حوالہ کرنے میں صاحب مال اللہ تعالیٰ کا نائب ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''کیا لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے'' اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''زکوٰۃ فقیر کی ہتھیلی میں جانے سے پہلے رحمان کے ہاتھ میں جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مالکین اموال کو ایتاء کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

'' وآتو الزکوٰۃ۔ (اور زکوٰۃ دو) اور ایتاء (دینا) مالک بنانا (تملیک) ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ''إنما الصدقات للفقراء'' والی آیت میں زکوٰۃ کو ''صدقہ'' کا نام دیا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہے............. اور اس لئے کہ زکوٰۃ ہماری اصل کے اعتبار سے عبادت ہے اور عبادت کا مطلب ہے کسی عمل کو کلیۃً اللہ کے لئے کر دینا زکوٰۃ میں یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی جب فقیر کے حوالہ کرنے کے بعد زکوٰۃ کے بقدر مال کی نسبت زکوٰۃ دہندہ سے کلیۃً منقطع ہو جائے اور وہ خالص اللہ کے لئے ہو جائے زکوٰۃ میں قربت کا مفہوم اپنی ملکیت ختم کر کے اللہ کی طرف اس مال کے نکالنے میں ہے، نہ کہ فقیر کو مالک بنانے میں، بلکہ فقیر کو مالک بنانا دراصل اللہ کی جانب سے ہے اور صاحب مال اللہ تعالیٰ کی جانب سے نائب ہے (بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

علامہ کاسائی کی یہ عبارت تملیک کے سلسلے میں فقہاء کے نقطۂ نظر کی بڑی مدلل ترجمانی کرتی ہے، مختلف حضرات نے کاسائی کا حوالہ دیا ہے، لیکن عام طور پر ان کے استدلال کا بڑا حصہ اختصار کی نظر ہو گیا ہے، اس لئے میں نے طویل ہونے کے باوجود ان کا استدلال پیش کرنا ضروری سمجھا۔

فقہاء شافعیہ کا موقف:

شافعیہ نے آیت مصارف (إنما الصدقات للفقراء الخ) کے لام کو تملیک کے معنیٰ میں لیا ہے، اس لئے ان کے نزدیک مصارفِ زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا از حد ضروری ہے، یہ بات کافی نہیں ہے کہ زکوٰۃ دہندگان اپنے طور پر زکوٰۃ مستحقین زکوٰۃ کے مفاد میں صرف کردیں، انہیں مالِ زکوٰۃ کا مالک نہ بنائیں، ان کے قبضہ میں زکوٰۃ کا مال نہ دیں، فقہاء شافعیہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے شیخ ابواسحاق شیرازی ''المہذب'' میں لکھتے ہیں:

'' ویجب صرف جمیع الصدقا إلی ثمانیة أصناف..............والدلیل علیه قوله تعالیٰ ''إنما الصدقات للفقراء.....................فأضاف جمیع الصدقات إلیهم بلام التملیک وأشرک بینهم بواو التشریک فدل علی أنه مملوک لهم مشترک بیهم '' (المہذب ۱/۲۳۱)۔

(تمام صدقات کو آٹھ اصناف پر صرف کرنا واجب ہے ....اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: انما الصدقات للفقراء'' اس آیت میں تمام صدقات کی اضافت لام تملیک کے ذریعہ ان آٹھ اصناف کی طرف کی گئی ہے اور شرکت پر دلالت کرنے والے ''واؤ'' کے ذریعہ انہیں شریک بنایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ان آٹھ اصناف کی ملکیت اور ان کے درمیان مشترک ہے)۔

اور اسی سے ملتی جلتی بات نووی نے بھی کہی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: المجموع شرح المہذب)۔

فقہاء شافعیہ کے ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے۔

حنابلہ و مالکیہ کی تصریحات:

حنبلی فقہاء کی عبارتیں بھی تملیک کے ضروری ہونے کے سلسلے میں انتہائی واضح ہیں، یہاں ہم حنبلی فقہاء کے بھی دو ہی اقتباسات پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مشہور حنبلی فقیہ شمس الدین مقدسی (محمد بن مفلح ۷۶۳ھ) ''کتاب الفروع'' میں لکھتے ہیں:

''زکوٰۃ کے نکالنے میں یہ شرط ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جائے اسے مالک بنادیا جائے ،لہذا یہ جائز نہیں ہوگا کہ زکوٰۃ سے فقراء و مساکین کو صبح و شام کا کھانا کھلا دیا جائے ،زکوٰۃ سے میت کے اس دین کی ادائیگی نہیں کی جائے گی جو دین اپنی یا دوسرے کی مصلحت کے لئے میت نے (اپنی زندگی میں) لیا ہو، یہ بات ابوعبید اور ابن عبدالبر نے نقل کی ہے، کیونکہ میت میں صدقہ قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہے، اسی طرح مالِ زکوٰۃ سے میت کی تکفین جائز نہیں ہے'' (کتاب الفروع ۲/ ۶۱۹)۔

علامہ بہوتی (منصور بن یونس ادریس ۱۰۴۶ھ) ''کشاف القناع'' میں لکھتے ہیں:

''زکوٰۃ پر فقیر کی ملکیت کے لئے اور صاحب مال کی زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے اس پر فقیر کا قبضہ کرنا شرط ہے ،لہذا زکوٰۃ کے مال سے فقراء کو صبح و شام کا کھانا کھلا دینا کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ ایتاء (دینا) نہیں ہے، اور نہ ہی زکوٰۃ سے کسی میت کا دین ادا کیا جائے گا، خواہ میت نے اپنی مصلحت کے لئے وہ دین لیا ہو یا دوسروں کی مصلحت کے لئے یہ بات ابوعبید اور ابن عبدالبر نے اجماع کی صورت میں نقل کی ہے، کیونکہ میت میں زکوٰۃ قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہے، جس طرح اگر صاحب مال زکوٰۃ سے میت کی تکفین کرے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ......

فقیر اور دوسرے مستحقین زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ میں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف صحیح نہیں

ہے، کیونکہ مستحقین زکوٰۃ قبضہ کرنے کے بعد ہی مال زکوٰۃ کے مالک بنتے ہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف میں فقہاء مالکیہ بھی تملیک ضروری قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ”کتاب الفروع“ اور ”کشاف القناع“ کے مذکورہ بالا اقتباسات میں ابن عبد البر کا حوالہ دینے سے ظاہر ہوتا ہے“ (کشاف القناع)۔

دور حاضر کے ممتاز فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے تملیک ضروری ہونے کے سلسلے میں جمہور فقہاء کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

”تمام مذاہب کے جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے جو مصارف ذکر فرمائے ہیں ان کے علاوہ دوسرے کاموں میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں، مثلاً مساجد، پلوں، سبیلوں کی تعمیر، نہریں کھودنا، راستوں کی مرمت، مردوں کی تکفین، ان کے دین کی ادائیگی، مہمانوں پر کشادگی کرنا، شہر پناہوں کی تعمیر، وسائل جہاد کی تیاری، مثلاً جنگی کشتیاں بنانا، ہتھیار خریدنا اور دوسرے اس طرح کے نیک کام جن کا اللہ نے ذکر نہیں فرمایا جن میں تملیک نہیں پائی جاتی“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۸۷۵)۔

تملیک پر آیات قرآنی سے استدلال:

قرآن کریم نے عموماً صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) کا حکم دینے کے لئے ایتاء کی تعبیر اختیار کی ہے، قرآن کی متعدد آیات میں فرمایا گیا ہے:

”أقيمو الصلاة و آتو الزكوٰة“ (سورۂ بقرہ: ۴۳) (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو)۔

”ایتاء“ اعطاء کا ہم معنیٰ ہے، دونوں کا معنی ہے ”دینا“۔

اصطلاحی زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فعل ایتاء اور اعطاء کا ایک فاعل ہوتا ہے اور دو مفعول ہوتے ہیں، جمہور فقہائے نے ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کے لازم ہونے پر ”ایتا“ سے بھی استدلال کیا ہے، ان کا یہ استدلال سمجھنے کے لئے ہمیں ایتاء کے لغوی مفہوم اور قرآن میں اس کے استعمالات پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

"والایتاء الاعطاء وخص وضع الصدقة فی القرآن بالایتاء" (المفردات للراغب اصفہانی)۔

ایتاء کے معنی اعطاء (دینا) ہے، قرآن میں زکوۃ کی ادائیگی کو خاص طور پر ایتاء سے تعبیر کیا ہے۔

لینا اور دینا دو ایسی بدیہی حقیقتیں ہیں جو ابتدائے آفرینش سے چلی آرہی ہیں، انسانیت کے وحی ونبوت، علوم وفنون سے آشنا ہونے سے بہت پہلے سے لینے اور دینے کا سلسلہ جاری ہے، ظاہر ہے کہ جب دینے (ایتاء) کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت چیز سے ہوتو اس سے مراد مالک بنانا (تملیک) ہوتا ہے۔

قرآن کے بے شمار استعمالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب "ایتاء" کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت مال سے ہوتو اس سے مراد مالک بنانا ہوتا ہے، اس سلسلہ میں قرآن کے چند استعمالات ملاحظہ ہوں:

" ومنهم من عاهد الله لئن أتنا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين فلما اتهم من فضله بخلوابه وتولوا وهم معرضون" (توبہ ۷۵-۷۶)۔

(اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں ہو جائیں گے، لیکن جب خدا نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) رو گردانی کر کے پھر بیٹھے)۔

" یأ یها النبی إنا أحللنا لک أزواجک الّتی اتیت أجورهن " (احزاب ۵)۔

اے پیغمبر! ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جن کو تم نے ان کے مہر دے دئے ہیں

حلال کردی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر یہ صیغے استعمال ہوئے ہیں، یہاں بخوب طوالت صرف آیات کے حوالے درج کیے جاتے ہیں، دیکھئے: (سورۂ بقرہ:۲۲۹، سورۂ نساء:۴، سورۂ نور: ۲۳، سورۂ نمل:۳۶)۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیات قرآنی میں زکوٰۃ کے ساتھ جو فعل ''ایتاء'' استعمال ہوا ہے اس میں مالک بنانے (تملیک) کا مفہوم پایا جاتا ہے، کیونکہ مالِ زکوٰۃ مادی قابل ملکیت چیز ہے اور زکوٰۃ دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اپنے مال کے ایک حصہ سے اپنی ملکیت اور قبضہ ختم کر کے ان لوگوں کی ملکیت میں دیدے جنہیں دینے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے میں زکوٰۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہو کر مستحق زکوٰۃ کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

یہ نکتہ تو بدیہی اور اجماعی ہے کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد مالِ زکوٰۃ سے زکوٰۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ وہ مال کسی فقیر یا مستحق زکوٰۃ کی ملکیت میں جانا ضروری نہیں، بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مال خدا کی ملکیت میں رہے اور مستحقین زکوٰۃ کو اس سے فائدہ پہنچایا جائے تو وقف اور زکوٰۃ میں کیا فرق رہ جائے گا، دونوں کے درمیان مابہ الامتیاز یہی تو ہے کہ مال وقف ان لوگوں کی ملکیت میں نہیں جاتا جن پر وقف کیا گیا ہے اور مالِ زکوٰۃ مستحق زکوٰۃ کی ملکیت بن جاتا ہے۔

حدیث معاذؓ سے استدلال:

اگر ہم حدیث معاذؓ کی روشنی میں دیکھیں تو تملیک کا مسئلہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

"انک تأتی قوما من أهل الکتاب فادعهم إلی شهادة أن لاإله الا الله وأنی رسول الله، فإن هم أطاعوک لذالک فاعلمهم أن الله افترض علیهم

خمس صلوات فی الیوم واللیلة، فإن أطاعوک لذلک فأعلمهم أن الله افترض علیهم صدقة تؤخذ من أغنیائهم فترد علی فقرائهم"

(تم اہل کتاب قوم کے پاس جارہے ہو انہیں اس بات کی دعوت دو کہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دیں اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے شب وروز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو واپس دی جائے گی)۔

اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اغنیاء سے اس کا "اخذ" (لینا) ہوگا اور فقراء پر اس کا "رد" (واپس کرنا، دینا) ہوگا "اخذ" اور رد دونوں مقابل لفظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی کا رد ہوگا ظاہر ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوٰۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں ہوگا، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے گا اور یہی تملیک فقیر ہے جس پر فقہاء نے زور دیا ہے، تملیک فقیر کتاب وسنت کا تقاضہ ہے فقہاء اسلام کی اختراع نہیں ہے۔

'اخذ' اور 'رد' کا یہ عمل اسلامی حکومت کرے گی اور اس کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کے ارباب حل وعقد کر سکتے ہیں، اخذ اور رد کے اس عمل میں اسلامی حکومت ایک واسطہ کا کام دیتی ہے حکومت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ فقراء کی طرف ملکیت منتقل کرنے کے بجائے مالِ زکوٰۃ پر اپنی ملکیت قائم کرلے اور فقراء کو صرف اس کے منافع سے بہرہ آور کرے، کیونکہ ایسی صورت میں اس نے اغنیاء سے جس چیز کا اخذ کیا اسے فقراء کی طرف واپس نہیں کیا۔

عہد نبوی اور عہد صحابہ کا تعامل:

رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آخری صدیوں تک زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم کا یہی طریقہ رائج تھا، زکوٰۃ فقراء، مساکین اور دوسرے مستحقین کو بطور ملکیت دے دی جاتی تھی،

تاریخ اسلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں ملتی ہے کہ زکوٰۃ فقراء میں تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایسی رفاہی اور فلاحی اسکیم میں لگائی گئی ہو جس کا نفع فقراء کو پہنچتا ہو اور ملکیت ان کی طرف منتقل نہ ہوتی ہو، حالانکہ اس زمانہ میں رفاہی اور فلاحی کام بہ کثرت ہوا کرتے تھے۔

محمد بن یوسف نے حضرت طاؤس کو مخلاف کا عامل بنایا وہ امیروں سے زکوٰۃ لیکر فقراء میں بانٹتے رہے، جب وہ فارغ ہوئے تو محمد بن یوسف نے کہا: ''اپنا حساب پیش کرو'' اس پر انہوں نے فرمایا میرے پاس کوئی حساب نہیں ہے میں امراء سے وصول کرتا اور غرباء میں تقسیم کرتا تھا۔

''جامع ترمذی'' میں ابوجحیفہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

" قدم علینا مصدق النبی ﷺ فأخذ الصدقة من أغنیائنا فجعلها فی فقرائنا و کنت غلاماً یتیما فأعطانی منها قلوصاً "۔

(ہمارے یہاں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنیوالا آیا اس نے ہمارے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر ہمارے غریبوں میں تقسیم کردی میں یتیم لڑکا تھا مجھے بھی اس میں سے ایک جوان اونٹنی دی)۔

منکرین تملیک کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ خیر القرون اور اس کے بعد کی صدیوں میں ادائیگی زکوٰۃ کی یہی شکل رائج تھی کہ زکوٰۃ کے مستحقین کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جاتا تھا، تاریخ اسلام کے ہر دور میں تملیک فقیر پر مسلسل عمل محض اتفاقی بات نہیں ہوسکتی، بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں امت کے ہر طبقہ کے ذہن میں شعور یا غیر شعوری طور پر یہ بات راسخ رہی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کی واحد شکل تملیک مستحق ہے۔

حرف آخر:

گزشتہ صفحات سے فقہاء اسلام کا یہ نقطۂ نظر واضح ہوا کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے فقراء مساکین وغیرہ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، تملیک کی حکمت اور اس کے کچھ دلائل بھی

آپ کے سامنے آئے، حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ کو فریضہ قرار دے کر اسلام نے فقر و فاقہ کا علاج کرنا چاہا ہے اور سماج کے نادار و محتاج طبقہ کی ضروریات زندگی کا باعزت بندوبست کیا ہے، فقر و افلاس انسان کو بسا اوقات ایسی منزل تک پہنچا دیتے ہیں کہ وہ اپنی عزت و آبرو، دین و ایمان ہر چیز کو خیر باد کہہ دیتا ہے، عصر حاضر کی تمام سائنسی و صنعتی ترقیات کے باوجود دنیا کے اکثر ممالک میں فقر و افلاس ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک خصوصاً مسلم ممالک میں آبادی کا بڑا حصہ خط افلاس سے کافی نیچے زندگی گزار رہا ہے، افریقہ کے مسلم ممالک غذائی بحران اور قحط سالی سے دو چار ہیں، فقر و افلاس کی اس سنگین صورت حال نے عیسائی مشنریوں کو یہ سنہرا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ غریب و نادار مسلمانوں کے دین و ایمان سے کھلواڑ کریں، انہیں اسلام کی روشنی سے نکال کر مسیحیت کی ظلمت میں لے جائیں، فقر و افلاس میں گرفتار مسلمان ملحدانہ تحریکات، مشرکانہ نظریات اور اسلام دشمن طاقتوں کا لقمہ تر ثابت ہو رہے ہیں۔

ان حالات میں سخت ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زکوٰۃ کا نظام قائم کر کے مسلم سماج کے غریب و نادار طبقہ کی اعانت کی جائے، اسے خط افلاس سے اوپر اٹھایا جائے، ضروریات زندگی سے محروم اس طبقہ کی ضروریات کا انتظام کیا جائے، مسلم ممالک میں بھی چونکہ اسلام کا نظام تقسیم دولت نافذ نہیں ہے، اس لئے سماج میں حد درجہ معاشی عدم توازن اور ناہمواری پائی جاتی ہے، ایک طبقہ مالدار سے مالدار تر اور دوسرا غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے، فقر و افلاس کا مہلک ناسور صرف انہیں ملکوں میں نہیں ہے جنہیں غریب اور پسماندہ گردانا جاتا ہے، بلکہ مالدار ممالک بھی اس سے دوچار ہیں، مسلم ممالک اور مسلم معاشرے زکوٰۃ کا کامل نظام برپا کر کے فقر و افلاس کے مضر اور مہلک اثرات سے مسلم سماج کو بچا سکتے ہیں۔

تملیک کی بندش اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ زکوٰۃ مسلم سماج کے نادار و محتاج طبقہ پر صرف ہو، طبقۂ فقراء کو اس سے پورا فائدہ پہنچے، غریبوں کی فلاح و بہبود کے نام پر زکوٰۃ کی خطیر رقم اغنیاء کے کنٹرول میں نہ چلی جائے، تملیک کی شرط ختم کرنے اور زکوٰۃ کے ساتھ میں مصرف

''فی سبیل اللہ'' کو عام کر دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ تمام رفاہی، فلاحی اور دینی کاموں میں زکوٰۃ تقسیم ہو جانے کی وجہ سے سماج کا محتاج و نادار طبقہ زکوٰۃ سے محروم ہو جائے گا اور فقر و افلاس کے دلدل میں گرفتار ہو کر اپنی ہر متاعِ عزیز کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، اس طرح زکوٰۃ کی مشروعیت کا ایک بڑا مقصد فوت ہو جائے گا اور زکوٰۃ کی روح بری طرح متاثر ہو گی۔

☆☆☆

اموال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی☆

اللہ جل شانہ نے زکوٰۃ بنیادی طور پر حاجتمندوں، فقراء و مساکین، مجاہدین فی سبیل اللہ، مسافر، موءلفتہ القلوب اور زکوٰۃ کا نظم کرنے والوں کو دینے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:
”إنما الصد قا ت للفقراء والمسا كين ،والعاملين عليها والموء لفةقلوبهم، وفي الرقا ب والغا رمين في سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله“(سورہ توبہ:۶۰)۔

احادیث نبویہ اور حضرات مفسرین کی بیان کردہ تفاسیر اور فقہاء کے اقوال پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان آٹھ مصارف میں سوائے عاملین کے دیگر تمام مصارف میں فقر کی شرط ہے، یعنی ان مصارف پر صرف کرنا اسی وقت جائز ہے، جبکہ فقر موجود ہو، ان مذکورہ بالا مصارف کے علاوہ دیگر کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

حاجتمندوں کی ضروریات کو سامنے رکھ کر سوالنامہ میں کچھ افراد کا یہ نقطۂ نظر لکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم حاجتمندوں پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں تقسیم کرنے کے بجائے ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کر دی جائے، یا اسے کسی اور نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے، اور اس کارخانہ، فیکٹری، کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو فقراء میں تقسیم کیا جائے، تاکہ ہر سال کی زکوٰۃ کھا پی کر برابر نہ ہو جائے، بلکہ اس سے آمدنی کے ایسے مستقل ذرائع

☆ ناظم امارت شرعیہ۔ پھلواری شریف پٹنہ۔

پیدا ہو جائیں جو مستقل طور پر فقراء کی ضرورت پوری کریں اور زکوٰۃ کی رقم سے وجود میں آنے والے کارخانوں اور فیکٹریوں میں حتی الامکان مستحقین زکوٰۃ ہی کو ملازم رکھا جائے، تاکہ وہ فقروفاقہ کے دلدل سے نکل سکیں، بعض افراد اور جماعتوں نے ایسی بعض اسکموں پر عمل بھی شروع کر دیا ہے اس بنیاد پر سوالنامہ میں زکوٰۃ سے استثمار، زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات ودکانیں تعمیر کرنے اور انہیں فقراء کے حوالہ کرنے سے متعلق سوالات قائم کئے گئے ہیں۔

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ صاحب مال کے اوپر فرض ہے، جس سے مقصود مال کو پاک کرنا ہے، اس لئے زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کے بارے میں حکم شرع کو سامنے رکھنا ہوگا، زکوٰۃ جس کے اوپر فرض ہے اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود مستحقین کو دیدے، لیکن اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ امام المسلمین کے ذریعہ ادا کرے، جب وہ زکوٰۃ نکالے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ نکال کر کہیں رکھ نہ دے، بلکہ مستحقین کو دیکر مالک بنادے، اگر وہ ایسا کرے گا تبھی اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی، ورنہ نہیں، ''درمختار'' میں ہے:

''(ھی) لغة: الطھارة والنماء، وشرعا (تملیک ..جزء مال عینه الشارع ..من مسلم فقیر ..'' (الدر المختار علی الرد ۲/ ۲۱۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر صرف زکوٰۃ کی نیت سے رقم نکال کر اپنی ملکیت سے الگ کر دیا جائے تو اس کو زکوٰۃ نہیں کہیں گے، جب تک کہ اس رقم کا فقراء ومساکین کو مالک نہ بنا دیا جائے، البتہ اگر خود فقیر، یا اس کا نائب زکوٰۃ پر قبضہ کرلے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، لیکن اگر زکوٰۃ کی نیت سے مال کا کچھ حصہ الگ کر کے رکھ دیا جائے اور وہ مستحقین کو مالک بنانے سے پہلے ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، چنانچہ محمود حنفی لکھتے ہیں:

''اعلم أن التملیک شرط :قال الله تعالیٰ :وأتوا الزکاة ،والایتاء: الإعطاء، والإعطاء التملیک ،فلا بد فیھا من قبض الفقیر أونائبه'' (الاختیار لتعلیل المختار ۱/ ۱۲۱)۔

"والاتیاء هو التملیک و مراده تملیک جزء ما له"(البحر ۲/۲۰۱)۔

یہی وجہ ہے کہ مجنون اور صبی وغیرہ کو زکوۃ دینے سے زکاۃ ادانہیں ہوتی ہے، تملیک کی شرط پر دیگر ائمہ، جیسے امام شافعی اور احمد بن حنبل بھی متفق ہیں۔

۱-(الف)اس بحث سے یہ واضح ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شئی ضروری ہے، اس لئے اگر کوئی شخص عین شئی کا مالک نہ بنائے، بلکہ زکاۃ کے رقم سے کارخانے قائم کر کے اوران سے حاصل ہونے والے منافع کو تقسیم کرے یا ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر روزگار فراہم کردے تو اس سے کارخانے قائم کرنے والے کی زکاۃ ادانہیں ہوگی، ہاں جس قدر منافع زکاۃ کی نیت سے فقراء کو ادا کردیگا اس قدر زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

(ب)-اسی طرح اگر کوئی شخص مال زکوۃ کو الگ کر کے کارخانہ قائم کرنے میں لگا دیتا ہے تو گرچہ اس کی نیت فقراء کی رعایت اور اس کی حالت بہتر بنانے کی ہے، مگر اس طرح زکوۃ جس کے اوپر فرض ہے وہ ادانہیں ہوتی ہے اور اسکے منافع کے تقسیم سے زکوۃ گرچہ تھوڑا تھوڑا کر کے ادا ہورہی ہو، مگر اس عمل سے زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہورہی ہے جو جائز نہیں ہے۔

"درمختار" میں ہے:

"ظاهره الإثم بالتاخیر ولو قل، كیوم أویومین ؛ لأنهم فسروا القدر بأول أوقات الإمكان الخ"(۲/۳)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کی رقم جتنی جلد ممکن ہو سکے مستحقین کے درمیان تقسیم کر دی جائے، اس کو روک کر رکھنا یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے یہ صحیح نہیں ہے جو لوگ ایسا کریں گے وہ گنہگار ہونگے۔

(ج)-ہاں اگر فقراء و مساکین، یا ان کے نمائندے زکوۃ کے مال سے فیکٹری وغیرہ قائم کریں تو یہ درست ہوگا، کیونکہ اس صورت میں زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی اوران

کا فیکٹری قائم کرنا بھی درست ہوگا۔

(د)- اگر زکوۃ نکالنے والا اموال زکوۃ سے فیکٹری قائم کر کے اس کی ملکیت فقراء و مساکین کو دیدے تو اس صورت میں بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

۲- (الف) اسی طرح اگر زکاۃ کی رقم سے دکان یا رہائشی مکان تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو اس کا مالک بنا دیا جائے تو جائز ہوگا۔

(ب) لیکن اگر زکوۃ کی رقم سے دکان یا رہائش کے لئے مکان تعمیر کرا کے فقراء و مساکین کو صرف رہائشی، یا دکان داری کے لئے دئے جائیں تو چونکہ اس میں تملیک نہیں ہے، اس لئے زکوۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ مرغیانی اپنی مشہور تصنیف ''ہدایہ'' میں رقمطراز ہیں: "لا یبنی بھا مسجدا و لا یکفن بھا لانعدام التملیک "(۱/۱۸۵)۔

۳- فقراء و مساکین کو مکانات یا دکانیں زکوۃ کی رقم سے تعمیر کر کے دے دی جائے، تو چونکہ اس صورت میں تملیک پائی جارہی ہے، اس لئے یہ صورت جائز و درست ہے، زکوۃ ادا ہو جائے گی، اس میں کوئی قباحت نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی فقیر کو اتنی مقدار دینا مکروہ ہے جس سے وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے اور ظاہر ہے کہ مکان اور دکان جو رہائش اور تجارت کے لئے ہو وہ حوائج اصلیہ میں شامل ہے، نصاب میں اسکا شمار نہیں ہے۔

خلاصہ بحث:

ان چند تمہیدی بحثوں کے بعد سوالنامہ میں پیش کردہ سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) زکاۃ کی رقوم کا استثمار: زکاۃ کی رقم سے فیکٹریاں اور کارخانے قائم کرنے کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ خود جن لوگوں پر زکاۃ فرض ہو وہ یا ان کے نمائندے زکوۃ کی رقوم سے فیکٹریاں یا کارخانے قائم کریں اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کو فقراء

ومساکین پر تقسیم کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فقراء ومساکین یا ان کے نمائندوں کو زکاۃ کی رقوم دیکر مالک بنادیا جائے اور خود فقراء یا ان کے نمائندے انکی اجازت سے فیکٹریاں یا کارخانے قائم کریں۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ صرف کارخانہ اور فیکٹریاں مذکورہ مقصد کے تحت قائم کردینے کی وجہ سے زکاۃ ادانہیں ہوگی، اس لئے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف میں سے کوئی بھی مصرف نہیں ہے، نیز تملیک مستحقین بھی نہیں پائی جارہی ہے اور خود زکاۃ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ تعریف بھی صادق نہیں آتی ہے، البتہ اگر اس صورت میں فیکٹریاں اور کارخانوں سے حاصل ہونے والے منافع کو خود قائم کرنے والے حضرات یا ان کے نمائندے فقراء ومساکین کو دیتے وقت زکاۃ کی نیت کرلیں تو جتنی رقم دیں کہ اس کے بقدر زکاۃ ادا ہو جائیگی، اس لئے کہ حب تک زکاۃ کی رقم مستحقین تک نہیں پہنچائی گئی، بلکہ صرف فیکٹریاں اور کارخانے قائم کئے گئے وہ زکاۃ کی رقم ہوئی ہی نہیں، بلکہ ان کی ذاتی رقم ہوئی، البتہ حب حاصل ہونے والے منافع کی رقم کو زکاۃ کی نیت سے فقراء ومساکین کو دی جائے تو اب تملیک پائی گئی، اس لئے زکاۃ ادا ہو جائے گی، لیکن چونکہ اس صورت میں ادائیگی زکاۃ میں تاخیر ہوگی، اس لئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہوگا اور باعث گناہ ہوگا۔

دوسری صورت میں جبکہ خود فقراء ومساکین یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں تو چونکہ اس صورت میں خود فقراء ومساکین زکاۃ کے مصارف میں اور تملیک بھی پائی جارہی ہے، اس لئے یہ صورت صحیح ہے، اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جائے گی، اگر خود فقراء ومساکین زکاۃ کی رقم پر قبضہ کر کے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں تو اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے، اور اگر ان کے نمائندے زکاۃ رقم پر قبضہ کر کے ان کی اجازت سے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں اور چونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ سمجھا جاتا ہے اور وکیل کو موکل کی اجازت وصراحت کے مطابق ہر جائز تصرف کا اختیار رہتا ہے، اس لئے یہ صورت بھی بلاشبہ جواز کی ہے۔

(ب) تمہیدی مباحث میں اس کے دلائل بیان کئے جاچکے ۔ وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

(ج) تملیک: زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک مستحقین ضروری ہے، اس کے بغیر زکاۃ ادانہیں ہوگی، جیسا کہ تفصیل گزرچکی، جہاں تک زیر بحث مسئلے میں تملیک کی شرط پوری ہونے یا نہ ہونے کی بات ہے تو اس کی تفصیل بھی گزرچکی ہے کہ اگر خود زکاۃ دہندگان یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانے قائم کریں تو تملیک کی شرط پائی جائے گی۔

۲۔ اگر زکاۃ کی رقم سے رہائشی مکان یا دکانیں تعمیر کرکے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور ان کو مالک نہ بنایا جائے تو زکاۃ ادانہیں ہوگی، اس لئے کہ زکاۃ کی بنیادی شرط تملیک کا فقدان ہے۔

۳۔ البتہ اگر فقراء ومساکین کو مکانات یا دکانیں زکاۃ کی رقم سے تعمیر کرکے دے دی جائے تو چونکہ اس صورت میں تملیک پائی جارہی ہے، اس لئے یہ صورت جائز ودرست ہے، زکاۃ ادا ہو جائے گی، اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ کسی ایک فقیر کو اتنی مقدار دینا مکروہ ہے جس سے وہ فقیر صاحب نصاب ہوجائے، اور ظاہر ہے کہ مکان اور دکان جو رہائش اور تجارت کے لئے ہو وہ حوائج اصلیہ میں شامل ہے، نصاب میں اس کا شمار نہیں ہے۔

☆☆☆

جدید مسائل ومشکلات کی روشنی میں زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

اللہ تعالیٰ نے مالکان کو اپنے فرمان " آتو الزکاۃ " کے ذریعہ زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے، اور یہ دینا مالک ہی بناتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر دلیلوں کے پیش نظر فقہائے کرام نے تملیک فقیر کو زکوٰۃ کی صحت ادا کے لئے رکن قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۲/۲۰۲، بدائع ۲/۱۴۲، رد المحتار ۲/۳)۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی بطور تملیک ہوتی ہے کہ نہ بطور اباحت، وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فقیر کو مال کا ایک حصہ دینا ہوگا، نہ کہ اس کی منفعت، کیونکہ منفعت مال نہیں ہے، پھر مالک بھی اس طرح بنانا ہوگا کہ زکوٰۃ دہندہ کا اس مال زکوٰۃ سے کوئی تعلق نہ ہو، بلکہ مستحق زکوٰۃ کو اس پر مالکانہ قبضہ حاصل ہو، نیز یہ عمل محض اللہ واسطے ہو۔

اب اگر تملیک نہ ہو، یا مال کے بجائے اس کی منفعت کی تملیک ہو، یا زکوٰۃ دہندہ کا اس مال زکوٰۃ سے تعلق باقی ہو، یا وہ لوجہ اللہ نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- (الف) زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانے فیکٹریاں قائم کرکے ان سے حاصل شدہ منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرنا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کرنا از روئے شرع درست نہیں ہوگا۔

☆ جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

(ب) اموالِ زکوٰۃ کے اس طرح کے استثمار و سرمایہ کاری کے عدمِ جواز کے کئی اسباب ہیں:

اول: یہ کہ اس میں تملیک کا فقدان ہے جس کی وجہ سے فقراء ان کارخانوں کے ملازم ہوں گے نہ کہ مالک، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان تک زکوٰۃ کی اصل رقم نہ پہنچ کر اس کا نفع پہنچ رہا ہے، جبکہ زکوٰۃ میں فقیر تک اسی رقم کا پہنچنا ضروری ہوتا ہے، نہ کہ اس کے نفع کا۔

دوم: یہ کہ جو رقم تنخواہ کی شکل میں انہیں دستیاب ہوگی وہ معاوضۂ محنت ہے، زکوٰۃ نہیں ،اس لئے کہ زکوٰۃ فقراء کی حاجتوں اور ضرورتوں کو دفع کرنے کے لئے کسی معاوضہ کے بغیر دی جاتی ہے۔

سوم: یہ کہ اس صورت میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد: "**تؤخذ من أغنيائهم فترد في فقرائهم**" (مسلم ۱/۳۶) (زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں لوٹا دی جائے گی) کے ایک جزء "**أخذ من الأغنياء**" پر تو عمل ہو پائے گا مگر دوسرے جزء "**رد في الفقراء**" پر عمل نہیں ہو پائے گا، اس لئے کہ اس دوسرے جزء کو عملی شکل دینے کے لئے ضروری ہے فقیر کو مالِ زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ حاصل ہو جس کی ترجمانی "فتاویٰ عالمگیری" میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"**إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم مالم يقبضها أو يقبضهاللفقير من له ولاية عليه**" (فتاویٰ ہندیہ ۱/۱۹۰)۔

(جب زکوٰۃ فقیر کو دے تو اس کی ادائیگی اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ فقیر یا اس کے لئے اس کا ولی قبضہ نہ کرلے)۔

چہارم: یہ کہ اس طرح کے کارخانوں کے قائم کرنے کے بعد ان کے صحیح ڈھنگ سے چلانے کا مسئلہ ہوگا جو بہت مشکل اور نازک ہوگا، اس وجہ سے کہ ان میں صرف وہی لوگ ملازم ہوسکیں گے جو مستحق زکوٰۃ ہوں گے اور وہ دوران ملازمت غنی ہو گئے تو انہیں وہاں سے علیحدہ ہونا

لازم اور ضروری ہوگا اس وجہ سے کہ وہ جگہ ان کے لئے اب شرعی اعتبار سے درست نہیں رہی بلکہ اس جگہ کسی دوسرے مستحق زکوٰۃ کا تقرر کرنا لازم ہوگا اور یہ ارباب بست وکشاء کی ذمہ داری ہوگی کہ اس پہلو پر گہری نگاہ رکھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مستحق رہ جائیں اور غیر مستحق اس نظام سے مستفید ہوتے رہیں، یہ بہت ہی نازک مرحلہ ہے اور قوی اندیشہ ہے کہ زکوٰۃ کا غلط استعمال ہونے لگے۔

معاشرے کے دبے کچلے افراد کی سچی ہمدردی کا تقاضا تو یہ ہے کہ صدقات نافلہ سے اس طرح کے کارخانے وغیرہ قائم کئے جائیں اور فقراء ومساکین اور ضرورت مند افراد کے لئے وقف کردیئے جائیں۔

(ج) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، ''ردالمحتار'' میں ہے:

''يصرف المزكي (إلى كلهم أو إلى بعضهم تمليكا) لا اباحة فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك ولو أطعمه ناويا الزكاة كا تكفي''

(ردالمحتار ۲/ ۶۸، فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۱۸۸، ہدایہ کتاب الزکوٰۃ)۔

زکوٰۃ دہندہ تمام مصارف یا بعض مصارف میں بطور تملیک صرف کرے نہ کہ بطور اباحت، چنانچہ مال زکوٰۃ میں کسی کو صرف بطور تملیک ہی کھلانا کافی ہوگا اور اگر کسی اپنے پاس زکوٰۃ کی نیت سے کھلایا تو کافی نہ ہوگا۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کی شرط صرف فقہائے احناف ہی کے یہاں نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب کے جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی کتاب ''الفقہ الاسلامی وأدلتہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''تمام مذاہب کے جمہور فقہاء کا اتفاق ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ مصارف کے علاوہ چیزوں میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے مثلاً مساجد، پلوں اور سبیلوں کی تعمیر، نہروں کی کھدائی، رستوں کی مرمت، مردوں کی تکفین، قرض کی ادائیگی، مہمانوں پر فراخی، شہر پناہوں کی تعمیر، سامان جہاد کی تیاری مثلاً جنگی کشتیوں کا بنانا، اور ہتھیار کا خریدنا اور اس طرح کے وہ کار خیر جن کا اللہ تعالیٰ

نے ذکر نہیں فرمایا ہے، جن میں تملیک نہیں ہے" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۸۷۵)۔

واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں تملیک نہیں پائی جارہی ہے۔

۲- زکوۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو بغرض رہائش یا تجارت دے دی جائیں اور ان کو ان کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں زکوۃ ادا نہ ہوگی اس وجہ سے کہ تملیک نہیں پائی گئی جو رکن ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۴۲)۔

البحر الرائق میں ہے:

"زکوۃ کی ادائیگی صرف عین متقوم کی تملیک سے ہوتی ہے حتی کہ اگر کسی نے فقیر کو ایک سال اپنے گھر میں بنیت زکوۃ بسایا تو کافی نہ ہوگا، اس وجہ سے کہ منفعت عین متقوم نہیں ہے" (۲/ ۲۴۲)۔

"ولو دفع إليه دارا يسكنها عن الزكاة لا يجوز" (فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۹۰)۔

(اور اگر کسی نے رہنے کے لئے فقیر کو بطور زکوۃ کوئی گھر دیا تو جائز نہیں ہے)۔

اس لئے اس صورت میں اباحت کی صورت پائی جارہی ہے، جب کہ ادائیگی زکوۃ کی صحت کے لئے تملیک ضروری ہے۔

۳- اگر فقراء کو زکوۃ کا مال دینے کے بجائے مال زکوۃ سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دیدیا جائے تو صحیح اور درست ہے، اس وجہ سے کہ اس میں فقراء کی ضرورت کا بھی لحاظ ہے اور تملیک بھی پائی جارہی ہے، اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ کا ایک فتوی ہدیہ ناظرین ہے، حضرت لکھتے ہیں:

"پس اگر مکان بنوا کر دینا زیادہ مفید ہو تو مکان بنوا کر دے دینا بہتر ہوگا، البتہ مکان کی جو لاگت و قیمت اصلی ہو وہی زکوۃ میں محسوب کیا جائے اور جو پیسہ ان کے نام لکھوانے اور زائد خرچ میں خرچ ہو جائے اور وہ رقم ان کی ملکیت میں نہ پہنچے وہ رقم اپنے پاس سے دی جائے،

زکوۃ میں محسوب نہ کی جائے" (فتاوی نظامیہ اندریہ ۱/ ۴۰۲)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کے ایک فتوے سے بھی یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے تحریر فرماتے ہیں:

"اگر رقم مسکین کو نہیں دی، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں ،اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دے، جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے، اسطرح تعمیر کی تکمیل کرادے" (احسن الفتاوی ۴/ ۳۰۰)۔

☆☆☆

استثمار زکوۃ کے مسائل

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی ☆

مصارف زکوۃ:

زکوۃ کے مصارف کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟ کیا ان مصارف کے علاوہ دوسرے مصارف پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قرآن کریم میں زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں، فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، غلاموں کو آزاد کرانا، قرض دار کی قرض کی ادائیگی کرنا، فی سبیل اللہ، ابن السبیل۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمین و فی سبیل الله، وابن السبیل فریضة من الله''(سورۃ توبہ:٦٠)۔

احادیث نبویہ اور حضرات مفسرین کی بیان کردہ تفاسیر اور فقہاء کے اقوال پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان آٹھ مصارف میں سواء عاملین کے دیگر تمام مصارف میں فقر کی شرط ہے، یعنی ان مصارف پر صرف کرنا اسی وقت جائز ہے، جبکہ فقر موجود ہو، البتہ یہ ایک مستقل بحث ہے کہ اس زمانہ میں ''مؤلفۃ قلوب'' مصارف زکوۃ میں ہیں یا یہ حکم منسوخ ہے، ان

☆ مفتی امارت شرعیہ، بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ، پٹنہ۔

مذکورہ بالا مصارف کے علاوہ دیگر کسی بھی مصرف میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، چنانچہ "سنن ابوداؤد" میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صدقات کا سوال کرنے لگا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالی صدقات وزکوۃ کے سلسلہ میں کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ خود ہی اس نے آٹھ مصارف بیان کر دئے، اگر تم ان آٹھ مصارف میں سے ہو تو تم کو میں تمہارا حق دوں گا، ورنہ نہیں، الفاظ یہ ہیں:

"فاتاه رجل فقال أعطني من الصدقة فقال له رسول الله ﷺ إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزاها ثمانية أجزاء فإن كنت من تلك الاجزاء اعطيتك حقك" (ابوداؤد ۱/۲۴۶ کتاب الزکوۃ)۔

اس روایت کو قدرے فرق کے ساتھ "الجامع لاحکام القرآن للقرطبی" میں "دارقطنی" کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، (دیکھئے: الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ۴/۱۰۷)۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کے بیان کردہ مذکورہ مصارف کے علاوہ دوسرے کسی بھی مصرف میں صرف کرنا گویا کہ اللہ کے فیصلہ کے خلاف صرف کرنا ہوگا جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

تملیک:

زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے یا نہیں، اگر کسی شخص کو زکوۃ کی رقم دے کر مالک نہ بنایا جائے تو کیا زکوۃ ادا ہوگی؟ اس سلسلہ میں تقریباً ائمہ اربعہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل اس بات پر متفق ہیں کہ زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، مستحقین زکوۃ کو زکوۃ کی رقم دے کر مالک بنائے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: الجامع لاحکام القران للقرطبی ۴/۱۰۷، الاختیار لتعلیل المختار ۱/۱۲۱، البحر الرائق ۲/۲۰۱)۔

یہی وجہ ہے کہ پل، مساجد، مدارس بنانے یا دیگر تعمیرات یا میت کے دین کی ادائیگی یا مردوں کے کفن یا دیگر ان تمام مصارف پر صرف کرنا جائز نہیں ہے جن میں مالک بننے کی

صلاحیت نہ ہو، کیونکہ مذکورہ بالا تمام مصارف میں تملیک کا فقدان ہے(ردالمحتار باب المصرف ۲/ ۶۲)۔

چونکہ تملیک ضروری ہے، اس لئے مجنون اور صبی غیر مراہق کو زکوۃ کی رقم دی جائے تو اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان دونوں میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے، البتہ اگر ان دونوں کا ولی زکوۃ کی رقم پر ان کی طرف سے قبضہ کرلے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

"وفي التمليک اشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما" (ردالمحتار ۲/ ۶۲)۔

شافعیہ نے بھی مذکورہ مصارف پر زکاۃ کی رقم صرف کرنے کو جائز قرار نہیں دیا ہے، چنانچہ کتاب الأموال میں ہے:

"فأما قضاء الدين عن الميت والعطية في كفنه، وبنيان المساجد والحتفار الأنها روما أشبه ذلک من أنواع البحر فإن سفيان وأهل العراق وغيرهم من العلماء مجمعون على أن ذلک لا يجزى من الزكاة، لأنه ليس من الأصناف الثمانية" (کتاب الأموال، ۷۲۳)۔

اس طرح کی وضاحت حنابلہ کی طرف سے بھی ملتی ہے:

"ولا يجوز صرف الزكوة الى غير من ذكره الله تعالى من بناء المساجد والقناطر والسقايا وإصلاح الطرفات وسدا الثغور وتكفين الموتى...... وأشباه ذلک من القرب التي لم يذكرها الله تعالى" (المغنی ۲/ ۲۶۷)۔

کتب فقہ مالکیہ میں بھی اس طرح کی صراحت ملتی ہے کہ ان مصارف پر صرف کرنا جائز نہیں ہے (دیکھئے: کتاب الکافی فی فقہ المدینہ)، چونکہ تملیک ضروری ہے، اس لئے اگر کسی کو زکاۃ کی رقم عاریۃً دی جائے تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی حتی کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کوئی

شخص زکاۃ کی رقم سے کھانا تیار کرائے، اپنے ساتھ کسی فقیر کو بیٹھا کر زکوۃ کی نیت سے کھلائے، اس کو دے کر مالک نہ بنائے تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اگر کھانا اس کو دے کر مالک بنادے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، ردالمحتار میں ہے:

"قوله تملكا فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك ولو أطعمه عنده نا ويا الزكوة لا تكفي" (ردالمحتار باب المصرف ۲/۶۲)۔

منافع کی تملیک:

تملیک کی بحث کے تحت یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ عین شئی کا مالک بنانا ضروری ہے، منافع کا مالک بنایا جائے اور عین شی کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے مکان میں کسی فقیر کو ایک سال کے لئے زکاۃ کی نیت سے ٹھہرا دے تو اس سے زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

"وهو خاص بالأعيان فخرج تمليك المنافع، قال في الكشف الكبير في بحث القدرة الميسرة الزكوة لا تتادى إلا بتمليك عين متقومة، حتى لو أسكن الفقير دراه بنية الزكوة لا يجزئة؛ لأن المنفعة ليست متقومة" (البحرالرائق ۲/۲۰۱)۔

زکوۃ کی ادائیگی علی التراخی یا علی الفور:

ایک بحث یہ ہے کہ زکاۃ کی ادائیگی وجوب زکوۃ اور ادائیگی زکوۃ کی شرطوں کے پائے جانے کے فوراً بعد ضروری ہے، یا بعد میں زندگی میں جب بھی زکوۃ ادا کردی جائے زکاۃ ادا ہو جائے گی، اس سلسلہ میں دونوں طرح کا قول ملتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ فورا ادا کرنا ضروری ہے، اگر کسی شخص نے زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کی تو وہ گنہگار ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ فوراادائیگی لازم نہیں، تاخیر سے بھی ادا کرسکتا ہے، حتی کہ پوری عمر میں جب بھی ادا کردے تو وہ ادا کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔

صاحب ''بدائع'' علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ اسی قول کو عام مشائخ نے اختیار کیا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲ر۳)۔

''درمختار'' میں ہے کہ تراخی والے قول کو باقانی اور دوسرے حضرات نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور ''ردالمحتار'' میں ہے کہ ''تاتارخانیہ'' میں اسی قول کو صحیح کہا ہے، لیکن ''تنویرالابصار'' کے متن میں ''علی الفور'' والے قول کو مفتی بہ اور بلا عذر تاخیر کو ناجائز اور باعث گناہ قرار دیا ہے، اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ ایسے شخص کی شہادت رد کردی جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: الدر المختار مع الرد ۲ر۱۲-۱۳)۔

دونوں کے دلائل کیا ہیں اور کون سا قول راجح ہے اور وجہ ترجیح کیا ہے؟ اس تفصیل سے قطع نظر اتنی بات ضروری ہے کہ بلا عذر خواہ مخواہ تاخیر کرنا غلط اور باعث گناہ ہے، تاخیر ایک دو روز کی بہت ہوسکتی ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ایک سال کی تاخیر مراد ہے، یعنی ادائیگی زکاۃ کی شرط پائی جانے کے بعد ایک سال تک زکاۃ ادا نہ کرنے والا گنہگار ہوگا (حوالہ سابق)۔

زکاۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم کو جتنی جلد ممکن ہو مستحقین کے درمیان تقسیم کردینا ضروری ہے، اس کو جمع کرکے رکھنا باعث گناہ ہے جو لوگ ایسے کریں گے وہ گنہگار ہوں گے۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

"والواجب علی الائمة أن یوصلوا الحقوق إلی أربابها ولا یحبسونها عنهم، ولا یجعلونها کنوزا......فإن قصر الأئمة في ذلک فو باله علیهم"۔

ان چند تمہیدی بحثوں کے بعد سوالنامہ میں پیش کردہ سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

الف-اس طرح زکاۃ کی رقم سے فیکٹریاں اور کارخانے قائم کرنے کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ خود جن لوگوں پر زکوۃ فرض ہو وہ یا ان کے نمائندے زکوۃ کی رقوم سے

فیکٹریاں یا کارخانے قائم کرے اور ان سے حاصل ہونے والے منافع فقراء ومساکین پر تقسیم کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فقراء ومساکین، یا ان کے نمائندوں کو زکاۃ کی رقوم دے کر مالک بنا دیا جائے اور خود فقراء یا ان کے نمائندے ان کی اجازت سے فیکٹریاں، کارخانے قائم کریں۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ صرف کارخانہ اور فیکٹریاں مذکورہ مقصد کے تحت قائم کر دینے کی وجہ سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے قران کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف میں سے کوئی بھی مصرف نہیں ہے، نیز تملیک مستحقین بھی نہیں پائی جا رہی ہے، اور خود زکاۃ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ تعریف بھی صادق نہیں آتی، البتہ اگر اس صورت میں فیکٹریاں اور کارخانون سے حاصل ہونے والے منافع کو خود قائم کرنے والے حضرات یا ان کے نمائندے فقراء و مساکین کو دیتے وقت زکوۃ کی نیت کرلیں تو جتنی رقم دیں اس کے بقدر زکوۃ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ جب تک زکوۃ کی رقم مستحقین تک نہیں پہنچائی گئی، بلکہ صرف فیکٹریاں اور کارخانے قائم کئے گئے تو وہ زکوۃ کی رقم ہی نہیں ہوئی، بلکہ ان کی ذاتی رقم ہوئی، البتہ جب حاصل ہونے والے منافع کی رقم کو زکوۃ کی نیت سے فقراء ومساکین کو دی جائے تو اب تملیک پائی گئی، اس لئے زکوۃ ادا ہو جائے گی، لیکن چونکہ اس صورت میں ادائیگی زکوۃ میں تاخیر ہوگی، اس لئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہوگا اور باعث گناہ ہوگا۔

دوسری صورت میں، جبکہ خود فقراء ومساکین یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں تو چونکہ اس صورت میں خود فقراء ومساکین زکاۃ کے مصارف ہیں اور تملیک بھی پائی جا رہی ہے، اس لئے یہ صورت صحیح ہے، اس صورت میں زکوۃ ادا ہو جائے گی، اگر خود فقراء و مساکین زکوۃ کی رقم پر قبضہ کر کے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں، اور چونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ سمجھا جاتا ہے اور وکیل کو موکل کی اجازت وصراحت کے مطابق ہر جائز تصرف کا اختیار ہوتا ہے،

اس لئے یہ صورت بھی بلا شبہ جواز کی ہے۔

(ب) تمہیدی مباحث میں اس کے دلائل ملاحظہ کرلیا جائے۔

(ج) زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک مستحقین ضروری ہے، اس کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوگی، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، جہاں تک زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری ہونے یا نہ ہونے کی بات ہے تو اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے کہ اگر خود زکوۃ دہندگان یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانے قائم کریں تو تملیک کی شرط پائی جائے گی۔

۲- اگر زکاۃ کی رقم سے رہائشی مکان یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش اور تجارت کے لئے دی دی جائیں اور ان کو مالک نہ بنایا جائے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ زکوۃ کی بنیادی شرط تملیک کا فقدان ہے۔

۳- البتہ اگر فقراء و مساکین کو مکانات، یا دوکانیں زکوۃ کی رقم سے تعمیر کر کے دے دی جائے تو چونکہ اس صورت میں تملیک پائی جارہی ہے، اس لئے یہ صورت جائز و درست ہے، زکوۃ ادا ہو جائے گی، اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ کسی ایک فقیر کو اتنی مقدار دینا مکروہ ہے جس سے وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے، اور ظاہر ہے کہ مکان اور دکان جو رہائشی اور تجارت کے لئے ہو وہ حوائج اصلیہ میں شامل ہے، نصاب میں اس کا شمار نہیں ہے۔

☆☆☆

زکوۃ کے نئے مسائل

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے احوال اوران کی ضروریات سے خوب باخبر ہے،اس نے انسانوں کے مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے افراد واشخاص کے مابین فرق مراتب رکھے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وھو الذی جعلکم خلائف الأرض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما آتاکم إن ربک سریع العقاب وإنه لغفور رحیم"(سورۂ انعام:۱۶۵)۔

علامہ قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:" (ورفع بعضم فوق بعض) فی الخلق والرزق والقوۃ والبسطة ، والفضل والعلم "(تفسیر قرطبی ۴ر۱۵۸)چنانچہ صحت وتندرستی، مرض اور کمزوری،قوت وضعف،منصب وجاہ علم وفضل اورغنا و مالداری ،اورتنگدستی ومفلوک الحالی ان سبھی امور میں بندوں کے مابین فرق مراتب پایا جاتا ہے،جو اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت اور اس کے علم سے ہے۔" إن ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر، إنه کان بعبادہ خبیرا بصیرا"(سورۂ اسراء:۳۰)۔

لیکن اس فرق مراتب کے باوجود، ایک کو دوسرے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں بنایا، بلکہ ان کے درمیان اخوت وبھائی چارگی،اورترحم وغمخواری کا جذبہ پیدا فرمایا،اوراس کے ذریعہ ربط باہم قائم رکھا، چنانچہ متعدد آیات میں مالی تعاون کا حکم مختلف انداز سے ملتا ہے: "وآتوا

☆ محلہ رگھوناتھ پورہ،مئو۔

حقه یوم حصاده " (سورۂ انعام:۱۴۱)"و آت ذالقربی حقه" (سورۂ اسراء:۲۶)"وفی أموالهم حق للسائل والمحروم " (سورہ معارج:۲۴)جیسی آیات میں یہ ہدایت موجود ہے کہ آدمی کے مال میں رشتہ داروں، پڑوسیوں، فقراء ومساکین کا حق ہوتا ہے، اسی طرح کا ایک حق اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر زکوٰۃ کی صورت میں فرض کیا ہے اوراس کی زبردست تاکید فرمائی ہے، حتی کہ ایمان اور نماز کے ساتھ متصل اس کا ذکر فرمایا ہے، اوران متقیوں کی نمایاں صفات میں اس کا ذکر فرمایا ہے جو قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرتے ہیں، جیسا کہ "سورۂ بقرہ" کی تیسری آیت: "الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلاۃ ومما رزقناهم ینفقون' '(سورۂ بقرہ:۳) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے"الزکاۃ المفروضة لمقارنتها الصلاۃ " (قرطبی ۱/۱۷۹)۔

نیز احادیث مبارکہ میں اسے اسلام کے ان ارکان میں شمار کیا گیا ہے جس پر دین اسلام کی بنیاد قائم ہے(دیکھئے: صحیح مسلم باب ارکان الاسلام)۔

چنانچہ اس زکوٰۃ کے بعد مالک حقیقی کی رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی معاشرہ کی اصلاح اور اقتصادی قوت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو مال کی ایک مخصوص مقدار (نصاب) یا اس سے زائد کے مالک اور اس مال پر ایک مخصوص مدت (حول) گزر جائے تو اس کا ایک مخصوص (چالیسواں) اپنی ملکیت سے نکال کر ایک طبقہ (مصارف زکوٰۃ) یا ان میں سے کسی کی ملکیت میں بلا عوض، محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دینا فرض قرار دیا ہے، جس سے ان کمزور اور تنگدست لوگوں کے نظام معیشت میں قوت پیدا ہو(ردالمحتار ۳/۱۷۱)۔

جس سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ مال کا وہ حصہ جو زکوٰۃ کے طور پر ادا کیا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ

۱- مال کا اصل مالک اس حصہ کو اپنی ملکیت سے خارج کردے اوراس پر کسی طرح کے تصرف کا حق نہ رکھے۔

۲- اور اس حصہ کا مالک کلی طور پر کسی مصرف زکوٰۃ کو بنادے جس پر اس مصرف زکوٰۃ فقیر وغیرہ کو تصرف کا پورا اختیار ہو۔

۳- نیز یہ اخراج مال اور تملیک، بلاعوض خالصۃً لوجہ اللہ تعالیٰ ہو۔

۱- (الف) اس لئے رقوم زکوٰۃ کا استثمار، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت ان کے لئے روزگار فراہم کردیا جائے گا، شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہونا چاہئے۔

(ب) اس لئے کہ مذکورہ صورت میں رقوم زکوٰۃ اصالۃً مصارف زکوٰۃ کی ملکیت میں داخل نہیں ہورہی ہے، بلکہ ان رقوم کا نفع ان کو مل رہا ہے جو ایک زائد شی ہے، یعنی رقوم زکوٰۃ اصل مالک کی ملکیت سے خارج ہے، لیکن ان کی تملیک نہیں پائی گئی۔

اسی طرح ملازمت کا موقع فراہم کرنا بھی ایک زائد شی ہے، اصل رقم زکوٰۃ نہیں ہے، نیز ملازمت کی صورت میں جو تنخواہ اور معاوضہ ملے گا وہ اجرۃ العمل اور حق المحنت ہوگا، لہذا تملیک رقم زکوٰۃ نہیں پائی گئی۔

اور یہ صورت کہ منتظمین کارخانہ کو فقراء اور مصارف زکوٰۃ کا وکیل مان لیا جائے جن کا قبضہ مصارف کا قبضہ اور ملکیت تسلیم کی جائے، جیسا کہ منتظمین مدارس عربیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے، اس پر شرح صدر نہیں، کیونکہ آج کل اس کا غلط فائدہ اٹھایا جارہا ہے، بلاضرورت دینی، اس رقم کا حیلہ کرکے اور مصارف زکوٰۃ کو محروم کرکے اس رقم کو منمانی طور پر، بلکہ اب تو عصری اسکولوں پر صرف کیا جاتا ہے اور محسوس یہ ہوتا ہے کہ فریضہ زکوٰۃ کے ساتھ مذاق ہورہا ہے، الحمدللہ مسلمانوں کے پاس بھی دولت ہے، غیروں کی طرح وہ بھی زکوٰۃ کے علاوہ رقم سے سوالنامہ میں مذکورہ صورت حال کا تدارک کرسکتے ہیں۔

(ج) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے: " و يشترط أن يكون

الصرف تمليكاً لا إباحة فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك ولو أطعم عنده ناويا الزكاة لا تكفي "(شامی ۳؍۲۹۱)۔

زکوٰۃ کی نیت سے مستحق زکوٰۃ کو اپنے یہاں کھانا کھلانے کو ادائیگی زکوٰۃ تسلیم نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ صورت اباحت کی ہے تملیک کی نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ تملیک ضروری ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کرکے فقراء اور مستحقین زکوٰۃ کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائے اور انہیں ان مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، کیونکہ مذکورہ صورت میں تملیک نہیں پائی گئی، بلکہ اباحۃ کی صورت ہوئی "قال في الكشف الكبير في بحث القدرة الميسرة الزكاة لاتتافى إلا بتمليك عين متقومة حتى لو أسكن الفقير داره سنة بنية الزكوٰة لا يجزيئه، لأن المنفعة ليست بعين متقومة "(البحرالرائق ۲؍ ۲۴۳)۔

یعنی زکوٰۃ عین متقومہ کی تملیک کے بغیر ادا نہیں ہوگی اور نفع اٹھانا استفادہ کرنا عین متقومہ نہیں ہے اور اوپر عبارت گزر چکی ہے کہ " ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة "(تصرف کا حق مالکانہ ہونا چاہئے، اباحت کا نہیں) (شامی ۳؍۲۹۱)۔

۳- ایسے فقراء و مستحقین زکوٰۃ جن کے پاس رہائشی مکان نہ ہو یا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو اس فقیر کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنواکر یا دوکان بنواکر ان کی ملکیت میں دینا جائز ہوگا اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اس لئے کہ مکان یا دوکان مال متقوم ہے اور تملیک کی شرط بھی پوری ہورہی ہے۔

اس قسم کا ایک فتویٰ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ کا بھی موجود ہے جس میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے مکان بنواکر مستحقین کو دے دیا جائے اور قبضہ کرادیا جائے تو شرعاً یہ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

مفتی صاحب تمہید کے بعد لکھتے ہیں: "پس اگر مکان بنواکر دینا زیادہ مفید ہو تو مکان بنو

اکر دینا بھی بہتر ہوگا، مکان کی جو لاگت و قیمت اصلی ہو وہی زکوۃ میں محسوب کیا جائے اور جو پیسہ ان کے نام لکھوانے میں اور زائد ضرورت میں خرچ ہو جائے اور وہ رقم ان کی ملک میں نہ پہنچے وہ رقم اپنے پاس سے دی جائے، زکوۃ میں محسوب نہ کیا جائے۔

☆☆☆

زکوٰۃ کی بچی ہوئی رقم میں سرمایہ کاری

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی ☆

اس میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ زکوٰۃ صرف ان آٹھ مدات میں صرف ہوگی، جن کا قرآن میں تذکرہ ہے، البتہ اس امر میں اجتہاد کی گنجائش ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی سے لیکر اس کی تقسیم کے درمیان جو مدت ہوسکتی ہے، اس میں کسی قصیر المدت استثمار کا موقع ہے تو اسے کیا جائے یا نہیں؟ اسی طرح اگر مستحقین زکوٰۃ کی فلاح و بہبود کا تقاضا ہو تو کیا وہ شکلیں اختیار کی جا سکتیں ہیں جن کا سوالنامہ میں ذکر ہے، راقم کے نزدیک اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو زکوٰۃ کی جو رقم فوری ضرورتوں سے فاضل ہو، سرمایہ کاری میں استعمال کی جا سکتی ہے، ضرورتیں کچھ تو فوری ہوتی ہیں اور کچھ میں توقف کیا جا سکتا ہے، اسی طرح سرمایہ کاری کی بعض شکلیں قصیر المدت، بلکہ فوری ہوتی ہیں اور بعض متوسط المدت یا طویل المدت ہوتی ہیں، فوری ضرورتوں کو نظر انداز کر کے رقم کی سرمایہ کاری صحیح نہیں ہوگی، البتہ زکاۃ کی وصولی اور تقسیم کے درمیان وقفہ ہو تو اس وقفہ میں مرابحہ کے طور پر تمویل صحیح ہوگی کہ اس درمیان سرمایہ بے کار پڑا ہوگا اور اس کے استعمال میں فقراء کی مصلحت ہے، فوری ضرورتوں کی تکمیل سے فاضل سرمایہ کو طویل المدت ضرورتوں کی تکمیل کے سلسلہ میں سرمایہ کاری بھی کی جا سکتی ہے، مگر اس کا فیصلہ اور انتظام افراد پر نہیں چھوڑا جا سکتا، بلکہ یہ اولوا الامر (مسلمانوں کے ارباب حقوق) اور مجلس شوریٰ کے طے کرنے اور انجام دینے کا کام ہے، یا زکوٰۃ کے ایسے ادارے جنہیں عامۃ المسلمین کے منتخب نمائندے چلاتے ہوں، باہمی

☆ جدہ، سعودی عربیہ۔

مشورہ سے فقراء المسلمین کی صلاح وفلاح کے لئے مختلف مشاریع میں سرمایہ کاری کر سکتے ہیں اب ذیل میں اس سے متعلق اٹھنے والے سوالات کے جواب درج ہیں:

۱-(الف) زکوٰۃ قرآن میں مذکورہ اصناف ثمانیہ کے لئے مشروع کی گئی ہے، جن میں فقراء ومساکین مقدم ہیں ان اصناف کی کچھ فوری ضرورتیں ہوسکتی ہیں ان کی تکمیل کو مؤخر نہیں کیا جاسکتا، انہیں روک کر کسی طویل المدت پروجیکٹ میں سرمایہ کاری کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ فوری ضرورتوں سے فاضل رقوم یا غیر موجود اصناف کے آئندہ پائے جانے کی شکل میں ان کی ضرورتوں کی بہتر تکمیل کے لئے کوئی سرمایہ کاری کرنا درست ہوگا، جیسا کہ سوالنامہ کی تمہید میں بعض ضرورتوں اور مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے، اس طرح کے پروجیکٹ کا تمام تر نفع ان ہی اصناف ثمانیہ کے لئے مخصوص ہوگا، ملازمت میں بھی فقراء ومساکین کو ترجیح دی جائے گی، البتہ اگر اس گروہ میں مطلوبہ مہارت وعلم رکھنے والے نہ ملیں تو دوسروں کو ملازم رکھا جاسکے گا، جو اپنی محنت کی اجرت پائیں گے۔

(ب) حضرت عمرؓ نے یتیم کے ولی کو نصیحت کی کہ اس کے مال کو تجارت وغیرہ میں لگائے کہ کہیں زکوٰۃ کی ادائیگی اسے ختم نہ کردے، اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اموال زکوٰۃ کے ولی کے لئے بھی ضروری ہے یا کم از کم جائز ہے کہ فوری ضرورت سے فاضل رقوم کو استثمار کی غرض سے استعمال کرے تاکہ اس میں اضافہ ہو اور اس سے زیادہ سے زیادہ مستحقین بہرور ہوسکیں اور افراط زر کے اس دور میں اس کی مالیت کم نہ ہوجائے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بیت المال کے لئے مدینہ منورہ کوئی رقوم بھیجنی تھی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے دو فرزندوں کو اجازت دی کہ اسے مدینہ لے جاتے ہوئے راستے میں اس سے تجارت کر سکتے ہیں وہاں پہنچ کر جب انہوں نے صرف اصل بیت المال میں جمع کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے پورا نفع بھی جمع کرنے کو کہا اور آخر میں اس معاملہ کو مضاربہ قرار دیکر صرف آدھے نفع پر اکتفاء کیا، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال یا صدقات کی رقم کسی کو مضاربت پر دی جاسکتی ہے، رقوم زکوٰۃ کی وصولی اور صرف

کے درمیان اتنی مدت ہو سکتی ہے کہ اس سے مرابحہ جیسے قصیر المیعاد استثمار ارت کئے جا سکیں طویل المیعاد سرمایہ کاری کی تبھی اجازت ہے جبکہ فوری ضرورت کسی حد تک پوری ہوگئی ہوں اور مصلحت راجحہ کا تقاضا ء ہو کہ ایسی سرمایہ کاری کی بات کی جائے ، اور یہ بات کہ فقراء و مساکین کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا جائے بے کاروں کو کام سے لگایا جائے اور مستقل دست سوال دراز کرنے سے بچایا جائے بہت بڑی مصلحت ہے جس کی تائید مختلف احادیث سے کی جا سکتی ہے، اس لئے فوری ضرورتوں اور آئندہ کی مصلحتوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

(ج) تملیک کے سلسلہ میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں راقم کے نزدیک وہ قطعی و مسکت نہیں ہیں ، اس لئے اس کو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یا ضروری رکن نہیں قرار دیا جا سکتا، زیادہ سے زیادہ اسے عام حالات میں افضل و احوط کہہ سکتے ہیں ، لیکن اگر مصلحت راجحہ تملیک مباشر کے حق میں نہ ہو تو تملیک غیر مباشر پر بھی اکتفاء کیا جا سکتا ہے، رقوم زکوٰۃ کے استثمار میں اصل اور نفع کے حق دار اور مالک انجام کار اصناف ثمانیہ ہی ہوں گے ، زیر بحث مسئلہ میں بھی تملیک کی یہ عمومی شرط پوری ہو رہی ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانہ اور فیکٹری جو قائم ہوگی وہ فقراء و مساکین اور دوسرے مستحقین زکوٰۃ کے لئے ہوگی ، اس کا نفع انہیں پر خرچ ہوگا اور ان کل کارخانوں کے خاتمہ پر جو کچھ حاصل ہوگا وہ فقراء و مساکین میں تقسیم ہوگا ان استثمارات میں اگر اس بات کی صراحت نہ ہو تو ایسا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

تملیک سے متعلق یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اگر ہم آیت ”إنما الصدقات للفقراء “......الخ میں لام کو برائے تملیک مانیں تو بھی آٹھ مدات میں سے صرف چار کے لئے یہ ضروری ہوگی تو یا نصف یا پچاس فیصد مستحقین زکوٰۃ کے لئے تملیک کے بجائے ان کے مصالح میں زکوٰۃ صرف کرنا ہے، اس طرح زکوٰۃ کی آدھی رقوم کو دیگر مستحقین کے پیش نظر سرمایہ کاری کرنا ان حضرات کے اعتبار سے بھی صحیح ہونا چاہئے جو تملیک کے قائل ہیں ”فی“ سے شروع ہونے والے مستحقین کے نہ پائے جانے کی صورت میں بالآخر ان استثمار کے اصل اور منافع کا

مالک قسم اول کے مستحقین کو بنا دیا جائے گا۔

تملیک کے قائل اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اسے شرط قرار دینے والے حضرات کی طرف سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ فقراء و مساکین جو جملہ مستحقین کے ایک چوتھائی کی نمائندگی کرتے ہیں ان کے لئے کم از کم جملہ رقوم زکوٰۃ سے ایک چوتھائی الگ کر دیا جائے اور ان کی فوری ضرورتوں کے لئے اس کا انہیں مالک بنایا جائے۔ ''لام'' سے شروع ہونے والے دو اور مستحقین ''عاملین علیہا'' اور ''مؤلفۃ قلوبہم'' کے لئے رقم کی تخصیص اور ادائیگی کی شکل حکومت کے ارباب حل وعقد پر منحصر ہوگی، بقیہ تین چوتھائی میں سے طے کیا جائے کہ کتنا سرمایہ کاری کے لئے مخصوص کیا جائے اور کتنا مزید فوری طور پر فقراء و مساکین اور عاملین پر صرف کیا جائے۔

سوال (۲) سوال میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ مکانات یا دکانیں فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے بغیر مالک بنائے مفت دی جائیں، یا کرایہ پر، مفت دیئے جانے کی شکل میں انہیں مالک بنانا ضروری ہے، انہیں مفت دیا جانا ان کے استحقاق کی بناء پر ہوگا، اگر مالک نہ بنایا گیا تو ایسے مکینوں یا تاجروں کے کل مالدار (صاحب نصاب) ہونے کی شکل میں انہیں خالی کرنا ہوگا، جو وجہ مشقت اور باعث نزاع ہوگا۔ اگر کرایہ پر دیا تو گویا وہ دکانیں تمام مستحقین زکوٰۃ کی مشترکہ ملکیت سمجھی جائیں گی اور ان کا شخص قانونی مالک ہوگا اور اس طرح وصول کیا جانے والا کرایہ اس ادارہ سے ہوکر خواہ اس مکین ہی پر براہ راست یا کسی خدمت (بجلی پانی، صفائی) کی شکل میں صرف ہو یا دوسرے زیادہ غریب لوگوں پر اس سے رہنے والے کے آئندہ صاحب نصاب ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، جہاں تک زکوٰۃ کا ادائیگی ہو جانے کا سوال ہے تو جب اسلامی حکومت یا مسلمانوں کی اپنی تنظیم کو زکوٰۃ دیدے گی تو وہ ادا ہوگی اب یہ اس ادارہ یا تنظیم کی ذمہ داری ہوگی کہ صحیح اور بہتر شرعی مصرف میں خرچ کرے۔

سوال (۳) اگر مصلحت متقاضی ہو تو فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے انکی ملکیت میں دی جا سکتی ہیں، بلکہ

بعض حالات میں یہ ضروری ہوسکتا ہے تملیک کے قائلین کی طرف سے بھی اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کی رقم سے تیار ہونے والے مکان کے فقراء مالک ہوگئے اور انہیں وہ چیز حاصل ہوگئی جو متفرق زکوٰۃ وصول کرنے سے شاید ہی کبھی حاصل ہوتی۔

☆☆☆

اموال زکاۃ کا استثمار اور تملیک کی بعض صورتیں

مولانا ابو العاص وحیدی ☆

تمہیدی بحث:

قرآن کریم میں عشر و زکاۃ کے مصارف متعین کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعالمين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين، وفي سبيل الله وابن سبيل'' (سورۂ توبہ:۶۰)۔

(صدقات تو بس محتاجوں، مسکینوں، عاملین صدقات اور تالیف قلب کے مستحقین کے لئے ہیں، اور اس لئے کہ یہ گردنوں کے چھڑانے، تاوان زدہ لوگوں کے سنبھالنے، اللہ کی راہ اور مسافروں کی امداد میں خرچ کئے جائیں گے)۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ خود اسلامی ریاست بھی مصارف زکاۃ میں کوئی ترمیم واضافہ نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک بار ایک آدمی نے آکر آپ ﷺ سے زکاۃ کے مال میں سے کچھ مانگا تو آپ نے فرمایا:

''إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات، حتى يحكم فيها هو، فجزاها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك'' (ابوداؤد کتاب الزکوۃ)۔

(اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے مال میں کسی کا یہاں تک کہ نبی کا دخل بھی پسند نہیں کیا، بلکہ اس

☆ سدھارتھ نگر، یوپی۔

نے خود اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کردیا، اب اگر تو ان آٹھ میں سے ہو تو میں تجھے تیرا حق دے دوں گا)۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی عشر و زکاۃ کے متعین مصارف پر بحث کرتے ہوئے ایک بڑی اہم بات لکھتے ہیں ملاحظہ ہو:

''ان تصریحات سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اموال زکاۃ کے سلسلہ میں ریاست کے مالکانہ حقوق محض برائے نام ہیں، ورنہ اس کی اصل حیثیت معاشرہ کے مالدار افراد سے ان کی زائد از ضرورت و دولت کے ایک حصہ کو معاشرہ کے ضرورت مند طبقہ کی طرف منتقل کر دیئے جانے والے مال کی ہے''۔

اس تمہیدی بحث کے بعد اب ہم زکاۃ کے نئے مسائل کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے سوالات کے جوابات اختصار سے لکھ رہے ہیں :

۱۔ (الف) زکاۃ کی ادائیگی انفرادی طور پر بھی ہو جاتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اموال زکاۃ کا اجتماعی نظام ہو خاص طور پر دور حاضر میں دنیا کے اکثر مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی کے پیش نظر اجتماعی نظام بہت ضروری ہے، اگر زکاۃ کا اجتماعی نظام ہو تو زکاۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے، یعنی زکاۃ کی رقوم سے اس مقصد کے تحت کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنا درست ہے کہ ان کے منافع کو مستحقین زکاۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان میں محتاجوں کو ملازمت دی جائے۔

(ب) تمہیدی بحث میں قرآن مجید کے حوالہ سے زکاۃ کے آٹھ مصارف کا جو تذکرہ کیا گیا ہے۔ اگر قرآن مجید کے اسلوب بیان پر غور کیا جائے تو اموال زکوۃ کے استثمار کے دلائل اور اسباب و وجوہ پر واضح طور پر روشنی پڑتی ہے، اس سلسلہ میں مشہور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑی اچھی بحث کی ہے میں ان کے طرز استدلال سے اتفاق کرتے ہوئے ان کی پوری بحث یہاں نقل کر رہا ہوں:

ہمارے فقہاء کا ایک گروہ "انما الصدقات للفقراء" کے "ل" کو تملیک ذاتی کے مفہوم کے لئے خاص کرتا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ صدقات وزکاۃ کی رقوم فقراء ومساکین کی کسی ایسی اجتماعی بہبود پر صرف نہیں ہوسکتیں جس سے ملکیت یا تو کسی کی بھی قائم نہ ہو لیکن اس کا فائدہ بحیثیت مجموعی سب کو پہنچے ہمارے نزدیک یہ رائے کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے، اول تو "ل" کچھ تملیک ہی کے معنی کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ یہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے، اور ان سب معانی کے لئے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے، تملیک ذاتی ہی کے معنی کے لئے اس کو خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، آخر بہبود نفع رسانی اور استحقاق کے معانی کے لئے بھی جب اس کا استعمال معروف ہے تو ان معانی میں یہ کیوں نہ لیا جائے، پھر اس میں آپ نے دیکھا کہ بعض چیزیں "فی" کے تحت بیان ہوتی ہیں اور "فی" کا متبادل مفہوم تملیک نہیں، بلکہ خدمت رفاہیت اور بہبودی ہے، علاوہ ازیں یہ امر بدیہی ہے کہ صرف تملیک ذاتی کی صورت میں غرباء کو جتنا فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے اس سے کہیں زیادہ نفع ان کو بعض حاجات میں اس صورت میں پہنچایا جاسکتا ہے جب کہ ان کی اجتماعی بہبود کے لئے بڑے بڑے کام کئے جائیں، پھر تملیک ذاتی کے ساتھ اس کو خاص کر کے اس نفع کو محدود کیوں کیا جائے،، (تدبر القرآن ۳ر ۵۹۳)۔

اس نقطہ نظر کا اظہار اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جناب شمس پیرزادہ نے بھی "دعوۃ القرآن" میں کہا ہے اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے بھی اموال زکاۃ کے استثمار کو درست قرار دیا ہے، انہوں نے اموال زکاۃ کی تقسیم کے بارے میں ایک اختلاف ذکر کیا ہے کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ فقراء ومساکین کو محدود مقدار میں زکاۃ دی جائے، دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ تحدید کے بغیر انھیں دیا جائے جو عمر بھر کے لئے کافی ہو اس گروہ کا استدلال حضرت عمر فاروق کے اس اعلان سے بھی ہے: "إذا أعطيتم فأغنوا" (اتنا دو کہ بے نیاز کردو) (کتاب الاموال ر ۵۶۵)۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

"اس بنا پر ایک مسلم ریاست اموال زکاۃ سے کارخانے، مکانات، تجارتی ادارے

وغیرہ قائم کر سکتی ہے جن کا مالک غریبوں کو بنایا جائے تاکہ ان وسائل سے جو آمدنی اس سے ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں ان چیزوں کو بیچنے یا ملکیت کو منتقل کرنیکا انہیں حق نہ ہو، بلکہ ان کے لئے گویا وہ وقف قرار پائیں'' (فقہ الزکوۃ ۲/۷۹۰)۔

(ج) اس شق کا جواب واضح ہو چکا ہے کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ذاتی ضروری نہیں ہے، لہذا تملیک ذاتی کی شرط پوری ہوگی کہ نہیں اس پر بحث کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ مختلف مدارس کے محصلین زکاۃ کی جو رقوم اکٹھا کرتے ہیں یا مدارس کے ناظم کے پاس زکاۃ کی جو رقوم آتی ہیں کیا ان دونوں صورتوں میں تملیک ذاتی کی شرط پوری ہوتی ہے؟ یہاں صحیح بات یہ ہے کہ زکاۃ دینے والوں کی طرف سے زکاۃ کی ادائیگی ہوگئی چونکہ وہ اس حسن ظن کی بنا پر زکاۃ محصلین یا نظماء کو دیتے ہیں کہ وہ مستحقین تک پہنچ جائے گی، لہذا فریضہ ان سے ساقط ہوگیا اور وہ عند اللہ ضرور ماجور ہوں گے ان شاء اللہ۔

۲- زکاۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تب بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، اس لئے کہ آیت: ''انما الصدقات للفقراء '' میں ''ل'' تملیک کے لئے نہیں ہے، بلکہ منفعت کے لئے ہے جس کا قرینہ دوسرے بعض مصارف میں ''فی'' کا استعمال ہے تو جب اموال زکاۃ مستحقین کی فلاح و بہبود میں خرچ ہو رہی ہے اور یہی نظام زکاۃ کی اصل روح ہے، لہذا زکوۃ کی ادائیگی ہوگئی۔

۳- فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کی بجائے اگر ان کیلئے زکوۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دیدی جائیں تو یہ شرعی طور پر جائز ہوگا مجھے اس میں کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی، بلکہ عمر فاروق کے اس اعلان ''إذا أعطیتم فاغنوا'' سے فی الجملہ اس نقطۂ نظر کی پوری تائید ہو رہی ہے۔

میں اس موقع پر علامہ نووی کی ایک تحریر ذکر کر رہا ہوں جس سے کسی حد تک ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''فقراء ومساکین کو اتنا دیا جائے کہ انہیں احتیاج سے غنا کی طرف لائے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے، جبکہ ان کی ضرورت دائمی طور سے پوری کردی جائے ،اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مانگنے کی اجازت اس وقت تک کے لئے دی ہے جب تک کہ اس کی ضرورت پوری نہ ہو جائے ،لہذا اگر ایسے شخص کا کوئی کاروبار ہو تو اسے اتنا دیا جائے کہ وہ اس سے کاروبار یا اشیاء یا آلات حرفت خرید سکے ،تا کہ اس کاروبار کے ذریعہ وہ بقدر ضرورت منافع کما سکے ،لیکن اگر وہ نہ کاروبار کرنا جانتا ہو اور نہ کسب معاش کی کوئی دوسری صورت اختیار کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں اس کو اتنا دیا جائے جو تا عمر اس کے لئے کافی ہو'' (المجموع ۶/ ۱۹۳-۹۵، بحوالہ فقہ الزکوۃ ۲/۹۷ ۳)۔

اموال زکاۃ سے جو مکان یا دوکان تعمیر کی جائے اس کے بارے میں ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کے مالک فقراء و مساکین ضرور ہوں ،مگر اس کی حیثیت وقف کی ہو ،جیسا کہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے لکھا ہے۔

☆☆☆

مال زکوۃ کا استثمار

مولانا نار اشد حسین ندوی ☆

اموال زکوۃ کے استثمار کا مطلب سوالنامہ اور استثمار کی تعریف کی روشنی میں یہ ہوا کہ کارخانہ وغیرہ لگا کر اصل مال زکوۃ کو باقی رکھا جائے مستحق کی ملک میں نہ دیا جائے، البتہ مستحق کو اس کی آمدنی سے دیا جائے۔

استثمار مال زکوۃ کا حکم:

اس معنی میں مال زکوۃ کا استثمار احقر کے نزدیک درست نہیں ہے، اس لئے کہ ادائیگی زکوۃ کی بنیادی شرط جمہور کے نزدیک تملیک مستحق ہے، اور وہ یہاں مفقود ہوگی، البتہ جواز کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مال زکوۃ اور دوسری مدوں کے مشترکہ سرمایہ کے کارخانہ قائم کیا جائے، اس میں جتنا حصہ مال زکوۃ کا ہو اس کے مناسب مقدار میں حصص (شیرز) کر کے مستحق کو باقاعدہ ان کا مالک بنا دیا جائے اور بقیہ رقوم کے شیرز کی کل آمدنی، نیز مال زکوۃ کے شیرز کا طے شدہ منافع منصوبہ بند طریقہ سے سوال میں درج مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

(ب) عدم جواز کے دلائل:

(۱) شق (ج) کے تحت یہ بات تفصیل سے آئیگی کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے جمہور کے نزدیک تملیک مستحق ضروری ہے، اور اس شکل میں تملیک کی شرط مفقود ہوگی، اس لئے کہ کارخانہ مستحق کی ملک اور قبضہ میں نہیں ہوگا۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی۔

(۲) استثمار کی شکل میں مال زکوٰۃ کو دیر تک روکنا لازم آئے گا، حالانکہ نبی کریم ﷺ مال زکوٰۃ کو روکنا پسند نہیں فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ کو ایک رات بھی مال زکوٰۃ روکنا گوارا نہیں تھا، بخاری کی یہ روایت ملاحظہ ہو:

"عن عقبة بن الحارث ؓ قال :صلى بنا النبي ﷺ العصر فأسرع ثم دخل البيت فلم يلبث أن خرج فقلت أو قيل له فقال: كنت خلفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت ان ابيته فقسمته"(بخاری مع الفتح باب من أحب تعجیل الصدقة ۳۵۱/۳)۔

(حضرت عقبہ ابن حارث ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی تو آپ نے جلدی کی پھر گھر میں تشریف لے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں باہر نکلے تو میں نے کہا (یا آپ سے سوال کیا گیا) تو آپ نے فرمایا: میں نے گھر میں مال صدقہ کا کچھ سونا چھوڑ دیا تھا، رات میں اسے باقی رکھنا میں نے پسند نہیں کیا، لہذا اسے تقسیم کر دیا)۔

(۳) "فتاویٰ ہندیہ" میں بیت المال کی رقوم کے سلسلہ میں ائمہ کو ہدایت دیتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"والواجب على الأئمة أن يوصلوا الحقوق إلى اربابها ولا يحبسونها عنهم"(فتاوی ہندیہ ۱/۹۱)۔

(ائمہ پر واجب ہے کہ حقوق اصحاب حقوق کو پہنچادیں اور اصحاب حقوق سے حقوق نہ روک رکھیں)۔

اور استثمار کی شکل میں ظاہر بات ہے کہ زکوٰۃ کے اصل سرمایہ کا "حبس" لازم آئے گا اور ظاہر بات ہے کہ جب امام اور اس کے اعوان کے لئے ان رقوم کا حبس جائز نہیں، حالانکہ وہ مستحقین کے نائب ہوتے ہیں اور زکوٰۃ خود ان کو دیدینے سے ادا ہو جاتی ہے تو غیر امام کو بدرجہ اولیٰ حبس زکوٰۃ کی اجازت نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ تو مستحقین کے بجائے خود زکوٰۃ ادا کرنے

والوں کا وکیل اور نائب ہوتا ہے، حتیٰ کے بعض علماء کے نزدیک وہ جب تک مال زکوٰۃ مستحقین کے حوالہ نہ کردے، زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ہی ادا نہ ہوگی۔

"لأن الأخذ إذا لم يكن بأمر الفقير كان الآخذ وكيلا عن الدافعين"

(اس لئے کہ (غیر امام کا) زکوٰۃ لینا جب فقیر کے حکم سے نہ ہو تو لینے والا زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل ہوتا ہے)۔

شیخ یوسف القرضاوی کا استنباط

البتہ شیخ یوسف القرضاوی (اطال اللہ بقاءٗ) نے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ ابن حنبل کے اس قول سے کہ فقیر کو اتنا دینا چاہئے جو اس کی ساری عمر کے لئے کافی ہو اس کا جواز مستنبط کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس نقطۂ نظر کی بنیاد پر اسلامی مملکت کو حق حاصل ہوگا کہ اموال زکوٰۃ سے کارخانے، جائدادیں اور تجارتی مراکز وغیرہ قائم کرے اور اس کے کل یا بعض کو فقراء کی ملکیت میں دیدے تا کہ ان کی پوری کفایت کرنے کے بقدر آمدنی ان کو مل جائے اور اس کو بیچنے اور ملکیت منتقل کرنے کا حق ان کو نہ دے تا کہ وہ بمنزلہ ان پر وقف کردہ چیز کے ہوجائے" (فقہ الزکوٰۃ ۲/ ۵۶۷)۔

شیخ نے اس پر مزید بحث نہیں کی ہے جس سے مسئلہ کے دلائل سامنے آئیں احقر کو تو (امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبل کے اس قول کے پیش نظر کہ باب زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنا ناجائز ہے) اس میں تسامح معلوم پڑتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ کہ احقر کی تحقیق میں استثمار کی مسئولہ شکل تملیک مستحق نہ پائے جانے کے سبب ناجائز ہے، البتہ جواز کی ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ قائم کردہ کارخانہ میں جتنا سرمایہ زکوٰۃ کے مال سے لگایا گیا ہو اس کے مناسب مقدار میں حصص کردیئے جائیں اور مستحقین کو باقاعدہ ان حصص کا مالک بنادیا جائے اور ان حصص کی طے شدہ آمدنی اور دوسرے مدوں سے لگائے گئے

سرمایہ کی کل آمدنی مذکورہ بالا مقاصد میں صرف کی جائے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے:

فقہاء کے مسالک

(ج) اس باب میں جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک مستحق ضروری ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''رہا رکن زکوٰۃ تو زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب کے ایک جزء کو اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح نکال دیا جائے کہ مالک فقیر یا اس کے نائب کو اس کا مالک بنا کر اور اسے اس کے سپرد کر کے اپنا قبضہ اس مال سے ختم کر دے'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۴۲، ہدایہ مع الفتح ۲/ ۲۰۷، ۲۰۸، الدر المختار ۲/ ۶۸، ہندیہ ۱/ ۸۸)۔

اور شافعیہ کی مشہور کتاب ''المہذب'' میں ''انما الصدقات للفقراء'' کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''فأضاف جميع الصدقات إليهم بلام التمليك واشرك بينهم بواو التشريك فدل على أنه مملوك لهم مشترك بينهم'' (المہذب ۱/ ۲۳۱)۔

اللہ تعالیٰ نے لام تملیک کے ذریعہ ان مستحقین کی طرف تمام صدقات کی اضافت کی اور واو تشریک کے ذریعہ ان میں شریک کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان کی ملکیت میں رہے گا اور ان میں مشترک ہوگا۔

علامہ نووی ایک بحث کے دوران فرماتے ہیں:

''ولأن في جميع الأصناف يسلم السهم إلى المستحق و يملكه إياه'' (شرح المہذب ۶/ ۱۴۶)۔

اس لئے کہ تمام اصناف میں حصہ مستحق کے حوالہ کیا جائے گا اور اسے حصہ کا مالک بنا دیا جائے گا۔

جمہور کے دلائل:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"أقيموا الصلاة وآتو الزكاة" (سورۂ بقرہ:۴۲)۔

اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوۃ۔

(۲) جمہور کی دوسری دلیل

" وفي أموالهم حق للسائل والمحروم" (سورۂ ذاریات:۱۹) (ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا، اور ہارے ہوئے کا)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"والإضافة بحرف اللام تقتضي الاختصاص بجهة الملک إذا كان المضاف إليه من أهل الملک" (بدائع الصنائع ۲/۸۰)۔

حرف لا کے ذریعہ اضافت جہت ملک کے ذریعہ اختصاص کا تقاضا کرتی ہے بشرطیکہ مضاف الیہ اہل ملک میں سے ہو۔

(۳) حضرت معاذ ابن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت نبی کریم ﷺ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"إنک تأتي قوما من أهل الكتاب، فادعهم إلى شهادة أن لااله إلا الله وإني رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلک فأعلمهم إن الله افترض عليهم خمس صلوات في اليوم والليلة، فإن هم أطاعو الذلک فأعلمهم إن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنياء هم فترد على فقراء هم" (بخاری مع الفتح ۳/۳۰۷، مسلم ۱/۳۶)۔

(تم ایک صاحب کتاب قوم کے پاس جارہے ہو، لہذا ان کو اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دینے کی دعوت دینا اگر وہ اس کی اطاعت کرلیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر

رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کی بھی اطاعت کرلیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لیجائے گی اور ان کے ناداروں پر لوٹا دی جائے گی)۔

مولانا عتیق احمد صاحب لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں فرمایا گیا کہ اغنیاء سے اس کا اخذ (لینا) ہوگا، اور فقراء پر اس کا ''رد'' (واپس کرنا، دینا) ہوگا اخذ اور رد دونوں مقابل لفظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی کا رد ہوگا، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوٰۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہٰذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں ہوگا، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے گا اور یہی تملیک فقیر ہے'' (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ر ۴۲)۔

(۴) ''لا تقوم الساعة حتى يكثر المال و يفيض حتى يخرج الرجل زكوٰة ماله، فلا يجد أحدا يقبلها منه'' (مسلم ۱۳۲۶، بخاری باب الصدقۃ قبل الرد ۱؍۲۳۰)۔

قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ مال کی کثرت اور بہتات ہو جائے، یہاں تک کہ آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا اور کوئی قبول کرنے والا نہیں پائے گا۔

(۵) '' تصدقوا فيوشک الرجل يمشي بصدقته فيقول الذى أعطيها لو جئتنا بها بالأمس قبلتها، فأما الآن فلا حاجة بها، فلا يجد من يقبلها'' (مسلم باب کل نوع من المعروف صدقۃ ۱؍۳۲۵، بخاری باب الصدقۃ قبل الرد ۱؍۲۳۰)۔

(صدقہ کرو وہ وقت قریب ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لیکر نکلے اور جسے صدقہ دیا جائے وہ کہے کہ اگر اسے کل لاتے تو میں قبول کرلیتا آج تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ وہ صدقہ قبول کرنے والا نہیں پائے گا)۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر تملیک فقیر کی شرط نہ ہوتی یا اس کا معاملہ عہد

نبوی ﷺ کی وقتی پالیسی کا ہوتا تو آپ ﷺ اس بات کی رہنمائی ضرور کرتے کہ اس طرح کے حالات میں زکوٰۃ کی رقوم فلاحی اور رفاہی کاموں میں لگادی جائیں۔

(۶) صاحب ''فتح القدیر'' مختلف دلائل سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''والدلیل علی ذلک قوله تعالیٰ : الم یعلموا ان الله هو یقبل التوبة عن عباده ویأخذ الصدقات ''(سورۂ توبہ:۱۰۴)۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوتیں۔

''وقول النبی ﷺ الصدقة تقع فی ید الرحمن قبل أن تقع فی ید الفقیر'' (بخاری باب الصدقۃ کسب طیب ۳/ ۳۲۶) وقد أمر الله الملاک بایتاء الزکوٰۃ بقوله عزو جل ،إنما الصدقات للفقراء(سورۂ توبہ:۶۰) والتصدق تملیک(فتح القدیر ۲/ ۱۴۲)۔

(اور نبی ﷺ کا یہ قول ہے صدقہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے رحمٰن کے قبضہ میں پہنچ جاتا ہے، نیز اللہ نے اپنے اس قول زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا،، کے ذریعہ مالکوں کو ایتاء زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور تصدق نام ہے تملیک کا)۔

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

'' خلاصہ یہ ہے کہ تملیک کی شرط خود انہیں آیات قرآنیہ سے ثابت ہے جن سے زکوٰۃ کا فرض ہونا ثابت ہے'' (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک/ ۵۶-۵۵)۔

منکرین شرط تملیک کے دلائل:

ان حضرات نے اپنے موقف پر دلائل نقل نہیں کئے ہیں، بلکہ جمہور تملیک کی شرط لگانے کے لئے جن دلائل کا سہارا لیتے ہیں یہ حضرات پورا زور اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ یہ دلائل ناکافی ہیں، چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت میں کسی چیز کو کسی چیز کا رکن قرار دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کتاب اور سنت کے اندر اس کی کوئی اصل ہو بغیر اس قسم کی کسی اصل کے کسی چیز کو کسی چیز کا رکن قرار دے دینا دین میں ایک اضافہ ہے جس کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے" (زکوۃ اور مسئلہ تملیک ر ۱۰۸)۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ "ایتاء اور تصدق" میں وضعاً وحقیقتاً تملیک کا مفہوم شامل ہے اور جیسا کہ جمہور کے دلائل بیان کرتے ہوئے گزر چکا ہے، جب اس کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت مال سے ہو تو بغیر کسی قرینہ کے اس میں تملیک کا مفہوم داخل ہو جائے گا۔

احقر کی رائے:

احقر کے نزدیک دلائل کے اعتبار سے بھی جمہور کا مسلک راجح ہے، شرط تملیک غیر ضروری قرار دینے والوں کا خیال ہے کہ اس طرح زکوۃ کی رقوم کا استعمال زیادہ اچھے ڈھنگ سے ہو سکے گا، لیکن احقر کا خیال یہ ہے کہ اس شرط کو غیر ضروری قرار دے نے کے بعد مستحقین کو جو کچھ حاصل بھی ہوتا ہے وہ اس سے محروم ہو جائیں گے اور ان رقوم پر غیر مستحقین حاوی ہو کر مستحقین کا استحصال کریں گے، یعنی جس مقصد سے اس شرط کے ختم کرنیکی طرف دھیان گیا ہے شرط ختم کرنے سے وہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوگا، لہذا مناسب یہی ہے کہ اس شرط کیساتھ چھیڑ خانی نہ کی جائے۔

مال زکوۃ سے مکان وغیرہ بنوا کر مالک بنائے بغیر صرف رہائش اور استعمال کے لئے دینا:

۲۔ اوپر تفصیل سے وضاحت کی جا چکی ہے کہ ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، صورت مسئولہ میں تملیک عین کے بجائے تملیک منافع ہو رہا ہے، اس لئے اس طریقہ سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، اس سلسلہ میں سوال (ا) شق (ج) کے تحت دلائل گزر چکے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تملیک عین ضروری ہے

مال زکوٰۃ سے مکان وغیرہ بنوا کر مستحق کو اس کا مالک بنا دینا:

۳۔ احناف کے نزدیک چونکہ مال زکوٰۃ میں تصرف جائز ہے، لہٰذا اس شکل سے احناف کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ہدایہ میں ہے:

"ویجوز دفع القیم فی الزکاۃ عندنا" (ہدایہ مع فتح القدیر ۲/۱۴۴، بدائع الصنائع ۲/۱۱۴) (ہمارے نزدیک زکوٰۃ میں قیمتوں کا ادا کرنا جائز ہے)۔

اور مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ میں ہے:

"الثانی أنه یجوز ذلک (إخراج القیمة فی الزکاة) وهو مذهب أبی حنیفة وأصحابه و قد روی ذلک عن عمر بن العزیز والحسن البصری" (العدد السادس والثلاثون السنۃ التاسعۃ/ ۱۸)۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ میں قیمت نکالنا جائز ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مسلک ہے اور اس کی روایت حضرت حسن بصری اور حضرت عمر ابن العزیز سے بھی کی گئی ہے۔

ان حضرات کے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں:

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "خذ من أموالهم صدقة تطهرهم" (سورۂ توبہ: ۱۰۳)۔

(لے ان کے مال سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو)۔

اس میں مال لینے کی صراحت ہے اور قیمت مال ہوتی ہے۔

(۲) "روی البخاری تعلیقا عن طاووس قال معاذ رضی اللہ عنہ لأهل الیمن: ایتونی بعرض ثیاب خمیص أو لبیس فی الصدقة مکان الشعیر والذرة أهون علیکم وخیر لاصحاب النبی ﷺ بالمدینة" (بخاری مع الفتح ۳/۳۶۵)۔

(حضرت معاذؓ اہل یمن سے فرمایا! کہ جو اور جوار کی جگہ صدقہ میں خمیص یا لبیس (مخصوص کپڑے) لے آؤ یہ تمہارے لئے آسان اور مدینہ کے صحابہ کرام کے لئے بہتر ہے)۔

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

مولانا سید اسرار الحق سبیلی ☆

مسلمانوں کے زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود بہت سے مسلمان خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں، آج مسلمانوں کی مفلسی تنگ دستی اور جہالت کا فائدہ اٹھا کر عیسائی مشنریاں، قادیانی اور دوسرے گمراہ فرقے بھولے بھالے نادار مسلمانوں کو مادی وسائل فراہم کر کے ان کو ارتداد کے پرفریب دامن میں پھانس رہے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ معاشی مسائل کے تعلق سے ہم غور وفکر کریں اور ان کا مستقل حل تلاش کرنے کی کوشش کریں، یہ وقت کی اہم ضرورت ہے ،حدیث میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے مسائل کے تعلق سے فکر مند نہ ہو وہ ان میں سے نہیں: "من لم يهتم بأمر المسلمين فليس منهم"۔

(الف) زکوٰۃ کے مالوں کا استثمار اور ان کو سرمایہ کاری میں لگانا درست ہونا چاہئے ،خواہ یہ سرمایہ کاری کارخانے ،فیکٹریاں، فارم ہاؤز وغیرہ کی شکل میں ہو، یا شیئرز وغیرہ کی شکل میں ،لیکن اگر خاص اس مقصد سے کارخانے قائم کئے جائیں تو زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کو روزگار کے مواقع بھی فراہم ہوں گے۔

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرنے سے مستحق کو ماہانہ وظیفہ آسانی سے دیا جانا ممکن ہوسکے گا ،فقراء جو سالانہ زکوٰۃ کی رقم چند دنوں میں کھا پی کر برابر کر دیتے ہیں، اور پھر اپنی سابقہ تنگ دستی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں، پابندی سے ماہانہ وظیفہ ملنے پر ان کو معاشی استحکام حاصل ہوگا، ان میں سماجی شعور پیدا ہوگا، ہر سال سرمایہ کاری میں اضافہ ہونے کی وجہ سے ان

☆ رفیق المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

کے وظیفہ میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت دن بدن بہتر اور مستحکم ہوتی جائے گی، اس طرح شریعتِ اسلامی میں مال کی تقسیم کا مقصد بھی حاصل ہوگا:

(ب)"کی لا یکون دولة بین الأغنیاء منکم" (سورۂ حشر:۷) (تاکہ مال صرف تمہارے مال داروں کے درمیان گردش کرتا نہ رہے)۔

شریعت کا مقصود صرف زکوٰۃ کا مال اٹھا کر غریبوں کو دینا ہی نہیں ہے، بلکہ غریبوں کی مفلسی دور کرنا بھی ہے، اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی غریبوں کی حالت جوں کی توں باقی رہے تو ہمیں ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنی ضروری ہے جس سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ غربت اور تنگ دستی کا بھی خاتمہ ہو جائے، امام طبرانیؒ نے "المعجم الاوسط" اور "المعجم الصغیر" میں حدیث نقل کی ہے:

"عن علی کرم الله وجه، أن النبی ﷺ قال: إن الله فرض علی أغنیاء المسلمین فی أموالهم بقدر الذی یسع فقرائهم ولن یجهد الفقراء إذا جاعوا أو عروا بما یصنع اغنیائهم، ألا وإن الله تحاسبهم حسابا شدیداً ویعذبهم عذاباً ألیما" (فقہ السنہ ۱/۲۷۶ طبع دار الفکر بیروت)۔

(حضرت علی کرمؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے مال داروں پر ان کے مالوں میں اتنی مقدار زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے فقراء کی تنگی کو دور کردے، مال داروں کی (بخالت کی) وجہ سے ہی فقراء بھوکے اور بے لباس رہتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لیں گے اور ان کو دردناک سزا دیں گے)۔

اموالِ زکوٰۃ کے استثمار کے بارے میں اس حدیث سے بھی رہ نمائی حاصل کی جاسکتی ہے:

"أن النبی ﷺ خطب الناس فقال: ألا ! من ولی یتیما له مال فلیتجز فیه ولا یترکه حتی تأکله الصدقة" (السنن للترمذی کتاب الزکوٰۃ ۱۰/۳۹)۔

(نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: سن لو! جو شخص کسی ایسے یتیم کی سرپرستی کرتا ہو جس کے پاس مال ہو تو اس کو اس مال میں تجارت کرنی چاہئے اس مال کو ویسے ہی نہ چھوڑ دے کہ صدقہ میں ہی سارا مال چلا جائے)۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی بے سہارے کے پاس اگر سرمایہ چھوڑ دیا جائے تو وہ چند دنوں میں اسے ختم کر کے پھر دستِ سوال دراز کرے گا، اگر اس کے موجودہ مال کو تجارت میں لگا دیا جائے تو یہ اس کے لئے روزگار کا ذریعہ بن جائے گا، مسکینوں کے اموالِ زکوٰۃ میں تجارت کرنے سے بھی ان کے لئے مستقل روزگار کا ذریعہ بن جائے گا، اور ان کی مالی حالت بہتر ہوتی جائے گی۔

اس بارے میں حسبِ ذیل حدیث سے بھی کچھ مدد لی جاسکتی ہے:

” عن أبی هريرة قال: قال رسول اللهﷺ: من قصد بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها كما يربی أحدكم فلوة حتی تكون مثل الجبل“(صحیح بخاری ۱۸۹/۱ کتاب الزکوۃ)۔

(سیدنا ابو ہریرہؓ نے روایت فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے، جب کہ اللہ تعالیٰ تو حلال مال ہی قبول فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سیدھے ہاتھ سے قبول فرماتے ہیں، پھر اس کو اس کے مالک کے لئے بڑھاتے (افزائش کرتے) ہیں، جیسا کہ تم لوگ گھوڑے کے بچے کی افزائش کرتے ہو یہاں تک کہ وہ (صدقہ) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے)۔

یہ حدیث اگرچہ آخرت میں صدقہ کے بڑھنے کے بارے میں ہے، لیکن اگر ہم دنیا میں بھی صدقات کے بڑھنے کا سامان فراہم کریں تو یہ ہمارے لئے کئی پہاڑوں کے برابر ثواب پانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

(ج) اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے ہے کہ زکوٰۃ کے مالوں میں اس طرح سرمایہ کاری کرنے سے تملیک پائی جائے گی یا نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک کو جتنی اہمیت حنفیہ نے دی ہے، اتنی اہمیت دوسرے فقہاء نے نہیں دی ہے، حنفیہ کے نزدیک تملیک زکوٰۃ کی رکن ہے، (الھدایہ مع الفتح ۲/ ۲۷۲) چنانچہ علامہ شرنبلالی نے زکوٰۃ کی تعریف یوں کی ہے:

"ھی تملیک مال مخصوص لشخص مخصوص فرضت علی حرمسلم مکلف مالک نصاب" (نورالایضاح/ ۱۵۳-۱۵۴)۔

(زکوٰۃ مخصوص مال کا مخصوص شخص کو مالک بنانے کا نام ہے جو آزاد، مسلمان مکلّف اور صاحب نصاب شخص پر فرض ہے)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تملیک شرط یا رکن نہیں ہے (تفصیل ائمہ ثلاثہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے)، حنفیہ کے مطابق اگر اسے رکن کا درجہ دیا بھی جائے تب بھی زکوٰۃ کی سرمایہ کاری میں تملیک پائی جاتی ہے، تملیک کے لئے فقیر کا ہونا ضروری نہیں ہے، عامل، محصل یا فقیر کے سرپرست کو بھی مالک بنانا درست ہے، جیسا کہ دینی مدارس کے ذمہ دار زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے بینک میں محفوظ رکھتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر خرچ کرتے ہیں، علامہ ابن عابدین شامی کا بیان ہے:

"إن السلطان أو عامله بمنزلة الوکیل عنه فی صرفها مصار فها و تملیکها أو عن الفقراء" (ردالمحتار ۳/ ۱۷۱)۔

(بادشاہ یا اس کا عامل زکوٰۃ ادا کرنے والے کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم مستحقین پر خرچ کرنے اور اس کا مالک بنانے کی بابت وکیل کے درجہ میں ہے، یا وہ دونوں فقراء کی طرف سے وکیل کے درجہ میں ہیں)۔

چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے، اس لئے اگر مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے مال سے دوکانات یا مکانات بغیر ان کی ملکیت کے دیئے جائیں تو

زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اس کی ایک آسان صورت یہ ہوسکتی ہے کہ فقراء و مساکین کو کرائے پر دوکانیں دلائی جائیں اور ان کا کرایہ چند سالوں تک زکوٰۃ کی رقموں سے ادا کیا جائے۔

زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرنے کے بجائے اگر اس قسم سے دکانات یا مکانات تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دے دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، خصوصاً دکان تعمیر کر کے یا خرید کر دینے سے فقراء کے لئے روزگار کا اچھا موقع فراہم ہوجائے گا اور انہیں معاشی استحکام حاصل ہوگا، لیکن یہ اس وقت ممکن ہے، جبکہ قوم میں دو وقت کھانے کے لئے ترسنے والے لوگ نہ ہوں، مسلمانوں کی بنیادی ضروریات پوری ہونے کے بعد ہی دکان یا مکان تعمیر کرا کر دینے کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔

انتباہ: اموالِ زکوٰۃ کے استثمار اور دوسرے منصوبوں پر عمل آوری اسی وقت ممکن ہے، جبکہ قوم کے مخلص، ہمدرد، مستعد، بے دار مغز اور تجربہ کار حضرات قوم کو معاشی ترقی دلانے کے جذبہ کے تحت کام شروع کریں اور اس کی سختی سے نگرانی کریں، ورنہ زکوٰۃ کی جائیداد کا وہی حال ہوسکتا ہے جو آج پورے ملک میں اوقافی جائیدادوں کا ہے۔

خلاصۂ جوابات:

۱- **(الف)** اموالِ زکوٰۃ کا استثمار درست ہے۔

(ب) دلائل مقالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے، زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری ہورہی ہے۔

۲- دکان یا مکان فقراء کو دیئے جائیں، لیکن ان کا مالک نہیں بنایا جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳- دکان یا مکان ان کی ملکیت میں دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب دوسرے مستحقین کے پاس بنیادی ضروریات کی چیزیں موجود ہوں اور وہ دو وقت روٹی کے محتاج نہ ہوں۔

اموال زکوۃ کا استثمار

مولانا محمد ابوبکر قاسمی ☆

اموال زکوۃ میں استثمار کا جواز قرآن وحدیث میں مصرح نہیں ہے، اور جو کچھ ہدایات اموالِ زکوۃ کے وجوب، اس کی ادائیگی اور اس کے مصارف میں تقسیم وصرف کے سلسلہ میں مصرح ومنصوص ہیں ان سے استثمار کا عدم جواز مفہوم ومستفاد ہوتا ہے، لہذا زکوۃ کی رقوم جمع کر کے ان سے استثمار کا یہ طریقہ جو سوالنامہ میں درج ہے، جائز نہیں ہے۔

عدم جواز کے دلائل:

اموالِ زکوۃ سے استثمار، خواہ صاحب مال کرے، یا عامل صدقات کرے، یا امیر المومنین کرے، یا کوئی فلاحی تنظیم کرے، کسی کو بھی اس کا حق نہیں ہے، صاحب مال کو تو یہ حق اس لئے نہیں ہے کہ وہ فرمان خداوندی: "و آتوا الزکوۃ" کی رو سے فقراء کے لئے زکوۃ کی رقم علیحدہ کر کے ان کو مالک بنا دینے اور اسلامی حکومت ہونے کی صورت میں فقراء کے وکلاء عاملین صدقات کو مال زکوۃ ادا کردینے کا مکلف ہے، خود صاحب مال کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مال زکوۃ کو اپنے مال میں ملا کر رکھے، چنانچہ حدیث میں بروایت ابوہریرہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے:

"ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان فيقول أحدهما: اللهم أعط

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ، دربھنگہ (بہار)۔

منفقا خلقاً، ویقول الآخر: اللهم اعط مسکا تلفاً" (بخاری ۱/ ۱۹۴، مسلم ۱/ ۳۲۵ بحوالہ مشکوۃ)۔

(روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ان سے ایک یہ دعاء کرتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ یہ دعاء کرتا ہے کہ روک کر مال رکھنے والے کو برباد کردے)۔

مسلم شریف میں حضرت ابو امامہ کی روایت میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے:

"یاابن آدم ان تبذل الفضل خیر لک وإن تمسکه شرلک"

(مسلم ۱/ ۳۳۲ بحوالہ مشکوۃ ۱/ ۱۶۴)۔

(اے آدم کے بیٹے! ضرورت سے زائد مال کو خرچ کردے یہ تیرے لئے بہتر ہے، اور اگر تو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے بُرا ہے)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے منقول ہے:

"مَا خالطتِ الزکوۃ ما لا قط إلا اهلکته" (مشکوۃ شریف ۱/ ۱۵۷)۔

(جس مال کے ساتھ زکوۃ کا مال مل جاتا ہے، وہ اس مال کو ہلاک کر ڈالتا ہے)۔

مذکورہ روایات حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب صاحبِ مال کو زکوۃ کی رقم روک کر رکھنے یا اپنے مال میں ملا کر رکھنے کی اجازت نہیں ہے تو پھر اسے استثمار کی کیونکر اجازت ہوگی، بلکہ اسلامی حکومت میں اموال ظاہرہ کی زکوۃ صاحب مال کو از خود فقراء کو تقسیم کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، اگر اس نے از خود تقسیم کر دیا تو اس سے دوبارہ زکوۃ کی رقم وصول کی جاسکتی ہے، کیونکہ "سورہ توبہ" میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

"خذ من أموالهم صدقة" (سورۂ توبہ: ۱۰۳)۔

(مال والوں سے ان کے مالوں کا صدقہ زکوۃ وصول کرلو)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب مال زکوۃ کو صاحب مال نہ از خود روک کر رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی حکومت میں از خود اموال ظاہرہ کی زکوۃ فقراء میں تقسیم کر سکتا ہے تو کیا اس کو مال زکوۃ سے استثمار کی اجازت حاصل ہوگی، ہرگز نہیں۔

جامع ترمذی میں وابوداؤد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کو زکوۃ کے سلسلہ میں یہ ہدایت فرمائی تھی:

" توخذ من اغنیائهم وترد علی فقرائهم "(ابوداؤد ۲/ ۲۲۲)۔

مال زکوۃ مالداروں سے وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے

علاوہ ازیں خود زکوۃ کی حقیقت تملیک فقراء ہے، یعنی مال زکوۃ کا غریبوں کو مالک بنا دیا جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایتاء الزکوۃ کا حکم دیا ہے اور" ایتاء" کی حقیقت بھی تملیک ہی ہے، چنانچہ" بدائع الصنائع" میں ہے:

" ان الواجب ایتاء زکوة والا یتاء هو التملیک "(بدائع الصنائع ۲/ ۴۵، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: علماء کے فتاوی، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۶/ ۱۹۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل مولانا یوسف لدھیانوی ۳/ ۳۸۳)۔

یہ تفصیلات اور جزئیات واضح طور پر استثمار کے عدم جواز کو بتلاتے ہیں، علاوہ ازیں استثمار کا یہ طریقہ حضور اکرم ﷺ صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین کسی سے بھی منقول وثابت نہیں ہے، حالانکہ جن اسباب ووجوہ سے اس کو جائز کرنے کی کچھ لوگوں کی طرف سے سعی کی جارہی ہے وہ اسباب وجوہ زمانہ نبوی اور دور صحابہ ومجتہدین میں بھی تھے، پھر بھی ان حضرات نے مال زکوۃ کا استثمار نہیں کیا، لہذا دورِ حاضر میں اس کے جواز کا قول کرنا بلا شبہ احداث فی الدین اور بدعت سیئہ میں داخل اور سراسر معصیت ہے۔

(ج) سوالنامہ کے سوال نمبر ا (الف) میں استثمار کی جوصورت ذکر کی گئی ہے بلاشبہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی، جبکہ ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، لہذا مالِ زکوۃ سے استثمار کی مندرجہ صورت کی ہرگز اجازت نہ ہوگی اور ایسا کرنے سے شرعاً زکوۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، اگر کسی نے ایسا کرلیا تو دوبارہ اپنے مال کی زکوۃ ادا کرے، کیونکہ ادائے زکوۃ کے لئے مستحق زکوۃ کو مالِ زکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے مالک (اصل مالک) کا اس مال سے کوئی تعلق نہ رہے، بلکہ اس کا قبضہ اس مال سے بالکل ختم ہو جائے، اور مالک ثانی (فقیر) کو اس مال میں مالکانہ تصرف کرنے کا پورا اختیار حاصل ہو جائے جس کو چاہے دے، نیز اس رقم سے جو چاہے کرے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب "بدائع الصنائع" میں ہے:

"اگر مال زکوۃ سے کھانے کی اشیاء خرید کر صبح وشام فقراء کو کھانا کھلا دے اور کھانے کی اصل اشیاء فقراء کو نہ دے (یعنی اس کا فقراء کو مالک نہ بنائے) تو ایسا کرنا تملیک نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے" (بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

نیز علامہ کاسانی نے دوسری جگہ لکھا ہے:

"وقد أمر الله الملاک بایتاء الزکوۃ لقوله عزوجل: "وآتو الزکوۃ والایتاء" هو التملیک، ولذا سمی الله تعالیٰ الزکوۃ صدقة، بقوله عزوجل: "إنما الصدقات للفقراء" والتصدق تملیک" (بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

(اللہ تعالیٰ نے اپنے قول وآتوا الزکوۃ دینے کا حکم دے کر مالک بنانے کا حکم دیا ہے اور زکوۃ دینا درحقیقت مالک بنانا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: "إنما الصدقات للفقراء" میں زکوۃ کا نام صدقہ رکھا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہی ہے)، اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/۶۸ وغیرہ)۔

۲- مال زکوۃ سے بغیر تملیک کے مستحقین کو مکان ودوکان بنا کر دینا:

بغیر مالک بنائے مالِ زکوۃ سے رہائشی مکان اسی طرح دوکانیں تعمیر کرکے صرف رہائش

یا تجارت کے لئے فقراء کو دینے سے ہرگز زکوۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، کیونکہ ادائے زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور یہاں بغیر تملیک کے (یعنی بغیر مالک بنائے) فقراء کو رہائش و کاروبار کرنے کے لئے جو مکان و دوکان دیا گیا ہے وہ شرعاً اباحت ہے اور ظاہر ہے کہ اباحت سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، لہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان کسی کو بطور نفع اٹھانے کے ایک سال تک کے لئے رہائش کی غرض سے دے دے اور یہ چاہے کہ ایک سال تک کرایہ کے بقدر زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے تو اس سے ہرگز زکوۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولو دفع إليه داراً يسكنها من الزكوة لا يجوز كذا في الزاهدي"

(فتاوی ہندیہ ۱/۱۹۰)۔

(اگر مستحق زکوۃ کو مال زکوۃ کے عوض رہنے کو گھر دے تو شرعاً یہ جائز نہیں ہے)۔

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی نے بھی مالِ زکوۃ سے مالک بنائے بغیر رہائش کے لئے فلیٹ دینے سے متعلق ایک طویل استفتاء کا جواب دیتے ہوئے یہی لکھا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۸۹)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مالک بنائے بغیر فلیٹ رہائش کے لئے دینے سے یا بغیر مالک بنائے کاروبار کے لئے دوکان دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

۳- البتہ زکوۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دئے جائیں اور ملکیت کے تمام کاغذات ان کے حوالہ کر دیا جائے اور فقراء کو پورا اختیار ہو کہ وہ اس مکان میں جیسے چاہیں مالکانہ تصرف کریں تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی ہے، چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی نے احسن الفتاوی جلد چہارم/۲۹۰ میں لکھا ہے:

"اگر رقم مسکین کو نہیں دی، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہیت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دے دے جب وہ تعمیر پر خرچ ہو

جائے تو مزید کچھ حصہ دے دے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرا دے''

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی نے بھی اپنے متعدد فتاویٰ میں مستحق زکوۃ کو زکوۃ میں مکان بنا کر دینے کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

''ایسے غریب اور نادار لوگ جو نصاب کے بقدر اثاثہ نہ رکھتے ہوں ان کو زکوۃ دینا جائز ہے اور اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوۃ کی رقم سے مکان بنوا کر ان کو مکان کا مالک بنا دیا جائے'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۴۰۰)۔

دراصل ادائے زکوۃ کے لئے مالِ زکوۃ کا فقیر کو مالک بنا دینا ضروری ہے، لہذا اگر از خود صاحبِ مال نے مکان بنوا کر فقراء کو مالک بنا دیا اور ملکیت کے تمام کاغذات ودستاویز اس کے حوالہ کر دیا اور زکوۃ دینے والے کا، یا اس کے کسی رشتہ دار کا اس مکان سے کوئی تعلق وواسطہ نہ رہے تو صاحب مال کی زکوۃ ادا ہوگئی اور صاحب مال کے لئے شرعاً ایسا کرنا جائز ہے۔

☆☆☆

مال زکوۃ سے سرمایہ کاری

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی☆

زکاۃ کی مشروعیت اس لئے ہوئی کہ مفلوک الحال اور معاشی اعتبار سے پسماندہ مسلم طبقہ کو حتی الوسع فقر و فاقہ اور احتیاج کے دلدل سے نکالا جائے، اسی کے تعلق سے چند نت نئے مسائل درپیش ہیں کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے کس حد تک گنجائش ہے، اور شریعت اس سلسلہ میں کیا حل پیش کرتی ہے؟

اموال زکاۃ کا استثمار:

(الف، ب) زکاۃ کی رقم کا استثمار جائز نہیں ہے، یعنی زکاۃ کے مال سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا، تاکہ زکاۃ کے مال کو زیادہ سے زیادہ سود مند بنایا جاسکے، اوران سے حاصل ہونے والی آمدنی مستحقین زکاۃ کے درمیان تقسیم کردی جائے، اوران کارخانوں میں فقراء اور مساکین کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کردیا جائے، عدم جواز کی دلیل تملیک کا نہ پایا جانا ہے، اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں:

زکاۃ کی رقم سے پل، مسجد، مسافر خانہ اور حوض کی تعمیر نہیں کی جائے گی نہر اور کنواں بھی نہیں کھودا جائے گا، راستے کی مرمت اور موتی کے تجہیز و تکفین بروئے کار نہیں لائے جائیں گے، کیونکہ ان تمام صورتوں میں زکاۃ کی بنیادی کن تملیک نہیں پائی جارہی ہے (بدائع ۲/ ۱۴۲)۔

جب تک زکاۃ کا وصف زکاۃ کے مال سے متصف رہے گا اس وقت تک کسی بھی رفاہی

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

کام میں زکاۃ کا مال خرچ نہیں کیا جائے گا، اور بغیر تملیک اور قبضہ کے زکاۃ کا وصف زائل نہیں ہو سکتا، کیونکہ تملیک سے مال کا حکم بدل جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کے استفسار کرنے پر کہا کہ یہ گائے کا گوشت جو کہ حضرت بریرہؓ پر صدقہ کیا گیا تھا آیا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے، اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

ایک دوسری روایت اسی سے منقول ہے کہ لوگ حضرت بریرہ کو صدقہ دیا کرتے تھے اور وہ ہمیں ہدیہ میں پیش کیا کرتیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے حق میں صدقہ ہے اور تمہارے حق میں ہدیہ ہے، لہذا کھاؤ (مسلم ۱۳۴۵ باب اباحۃ الہدیہ)۔

اسی حدیث سے امام نووی نے استدلال کیا ہے کہ صدقہ پر متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا ہو) جب قبضہ کر لے تو اس سے صدقہ کا وصف زائل ہو جائے گا اور ان لوگوں کے لئے حلال ہو جائے گا جن کے حق میں صدقہ حرام ہے (شرح مسلم ۱/۳۴۵)۔

لہذا اگر اموال زکاۃ کا استثمار ناگزیر ہو، تو سب سے پہلے زکاۃ کا وصف ان اموال زکاۃ سے زائل کر دیا جائے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ فقراء و مساکین کو زکاۃ کے مالوں کا مالک بنا دیا جائے، پھر ان سے کہا جائے کہ رفاہ عام فیکٹری وغیرہ کی تعمیر میں دے دیں، اس طرح محض فقراء کے قبضے سے زکاۃ کا وصف زائل ہو گیا اب وہ مال زکاۃ کا مال نہیں رہا، اس لئے وہ مال مالدار اور غریب سب کے لئے حلال ہو گیا، اس صورت میں فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکاۃ میں تقسیم کیا جانے کے علاوہ دیگر رفاہ عام میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ فیکٹری اور فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع زکاۃ کے مال نہیں ہیں، بلکہ عطایا اور عام صدقات نافلہ کے قبیل سے ہیں، جبکہ صاحب ''درمختار'' علامہ علاء الدین حصکی نے لکھا ہے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کی تکفین و تجہیز وغیرہ کے باب میں زکاۃ کا مال خرچ نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر فقیر کو مالک بنا دیا جائے، پھر فقیر کو حکم دیا جائے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ میں

خرچ کرے اور وہ اس میں خرچ کردے تو اس طرح زکوۃ ادا ہو جائے گی، اور فقیر کو مسجد کی تعمیر وغیرہ میں ثواب ملے گا (درمختار مع الرد ۳/ ۲۹۳، حاشیہ طحطاوی ۳۹۳)۔

جہاں تک زکاۃ دیتے وقت مسجد کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنے کی شرط لگانا شرط فاسد کی بات ہے، تو اس شرط فاسد سے زکاۃ باطل نہیں ہوتی، بلکہ زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور شرط فاسد کے بجا آوری کا مکلّف فقیر نہیں ہوگا، بلکہ وہ صاحب مال کے حکم کی خلاف ورزی کرسکتا ہے۔

"الحيلة أن تيصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء ،وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم" (حوالہ سابق)۔

(حیلہ یہ ہے کہ فقیر پر صدقہ کرے، پھر اس کو حکم دے کہ ان امور کو بروئے کار لائے، کیا فقیر کے لئے روا ہے کہ وہ صاحب مال کے حکم کی خلاف ورزی کرے؟ میں نے اس کا حکم نہیں دیکھا، البتہ ظاہر ہے کہ فقیر حکم کی خلاف ورزی کرسکتا ہے)۔

علامہ شامی کا بیان ہے: **"والهبة والصدقة لايفسد ان باالشرط الفاسد"** (ہدیہ اور صدقہ دونوں شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے)۔

اموال زکاۃ کے استثمار کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ فیکٹریاں وغیرہ بنوانے والے کو فقراء اپنا وکیل بنادیں تو ان کا قبضہ کرنا دراصل فقراء کا قبضہ کرنا ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۱۴۳، حاشیہ طحطاوی/ ۳۹۳) کیونکہ وکیل کا تصرف درحقیقت موکل تصرف ہوتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۱)، اور اس مسئلہ میں فقراء موکل ہیں، اور زکاۃ وصول کرنے والے ان کے وکیل ہیں، اموال زکاۃ کے مالک فقراء ہونگے (حوالہ سابق)۔

اس طرح فیکٹریاں وغیرہ بنوانے والے جو کہ فقراء کے وکیل ہیں وہ فیکٹریوں کے مالک نہیں ہوں گے، بلکہ وہ موکل فقراء ہوں گے اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کے مالک وہی متعین موکل فقراء ہوں گے، فیکٹریاں بنوانے والے وکیل حضرات دوسرے فقراء اور رفاہ عام میں خرچ کرنے کے مجاز نہیں ہونگے، بلکہ موکل فقراء از خود تقسیم کرنے کے مجاز ہونگے، ہاں اگر

موکل فقراء اپنے وکیل کو ان کے صوابدید پر خرچ کرنے کا اختیار دیں تو وہ خرچ کر سکتے ہیں اور وہ دیگر فقراء کے درمیان بھی تقسیم کر سکتے ہیں اور جس رفاہ عام کے کام میں خرچ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

۲-زکاۃ کے مال سے فقراء کے لئے رہائشی مکان اور دوکان کی تعمیر:

زکاۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش پذیر ہونے، یا تجارت کے لئے دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، جبکہ انہیں ان مکانات یا دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے، اس لئے کہ بغیر تملیک کے زکاۃ ادا نہیں ہوتی ہے، حصکفی کے حوالہ سے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ ''اگر کسی یتیم کو زکاۃ کی نیت سے کھانا کھلایا تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ اس کو مالک نہیں بنایا گیا، اور اگر خوردنی اشیاء یا کھانے کھلوانے کے بجائے اس کے حوالہ کر دیا گیا تو زکاۃ ادا ہو جائے گی (درمختار ۳/۱۷۱)۔

اسی طرح علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ''اگر صاحب مال نے زکاۃ کی رقم سے کھانا خریدا، اور فقراء کو دوپہر اور رات کا کھانا کھلایا، لیکن عین کھانا ان کے حوالہ نہیں کیا، تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ تملیک نہیں پائی گئی'' (بدائع الصنائع ۲/۱۴۳، فتاوی ہندیہ ۱/۱۹۰)۔

۳- فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کی بجائے ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں، تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ زکاۃ کا اساسی رکن تملیک پایا گیا ہے۔

خلاصہ بحث:

مذکورہ مباحثہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے۔

۲- زکاۃ کی رقم یا مالوں کا راست استثمار جائز نہیں ہے، البتہ بذریعہ توکیل درست ہے، اسی طرح فقراء زکاۃ کے مالوں پر قبضہ کر کے فیکٹریاں وغیرہ بنانے والوں کو ہبہ کر دے تو اس

سے استثمار جائز ہے۔

۳۔ زکاۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے بلا تملیک دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، ہاں اگر دوکانوں اور مکانات کا مالک بنا دیا جائے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی

۴۔ فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دینے سے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

☆☆☆

زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

مولانا حفیظ الرحمن عمری☆

زکوٰۃ حقوق اللہ میں سے ہے، پورے اسلامی معاشرے میں اس کا مستحق کوئی نہ ہوتب بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی، یہ کوئی مفروضہ نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ ایک دور ایسا بھی آئے گا کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لئے لئے گھومتے اور مستحق کو تلاش کرتے رہیں گے، مگر اسے قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔

"عن حارثة بن وهب قال: قال رسول اللهﷺ: تصدقوا فإنه يأتي عليكم زمان يمشي الرجل بصدقته فلا يجد من يقبلها، يقول الرجل: لو جئت بها بالأمس لقبلتها، فأما اليوم فلا حاجة لي بها" (متفق علیہ)۔

ایسی صورت میں اموال زکوٰۃ کی ڈھیر جمع ہو جائے گی اور زکوٰۃ کی حکمت اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا، زکوٰۃ کی مشروعیت اس لئے ہوئی کہ دولت سب میں پھیلے اس پر کسی ایک ہی گروہ کی اجارہ داری نہ رہے، اسلامی تعلیمات کی روح دولت کے احتکار و اکتناز کے خلاف ہے، مولانا آزادؒ کے الفاظ میں: "قرآن نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکہ داری میں آجائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے، بلکہ وہ چاہتا ہے دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد و قوم میں پھیلے اور منقسم ہو" (ترجمان القرآن ۳)۔

☆ استاذ جامعہ دار السلام، عمر آباد، تامل ناڈو۔

زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا تو اموال زکوٰۃ کو اکتناز و احتکار کے لئے تو نہیں چھوڑ دیا جائے گا، بلکہ اس کے استثمار کی مفید صورتیں ضرور عمل میں لائی جائیں گی جس سے زکوٰۃ کا مقصد پورا ہوتا رہے گا، یعنی مستقبل میں فقر و فاقہ کا ازالہ اور بے روزگاری کا خاتمہ معاشرے کے کمزور افراد اور کچلے ہوئے طبقے کی امداد کر کے انہیں اوپر اٹھانا، درماندہ مسافروں کو منزل مقصود تک پہنچا کر انہیں ان کے پیروں پر کھڑا کرنا وغیرہ وغیرہ۔

زکوٰۃ کی اس حکمت و مقصد کو سمجھ لینے کے بعد اس کے نظام ادائیگی پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اس باب میں عمال، حکومت کی اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالے کر دیں حتی کہ اگر عمال ظالم ہوں یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے، یہ نہیں کرنا چاہئے، کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے، بشیر بن خصاصہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا:

"إن قوما من أصحاب الصدقة يعتدون علينا" (عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیاتیاں کرتا ہے، کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا نہیں) (ابوداؤد)۔

سعد بن وقاص کی روایت میں صاف صاف موجود ہے:

" ادفعوا اليهم ماصلوا"

(جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو)۔

بنو امیہ کے زمانے میں جب نظام خلافت بدل گیا اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے تو بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہئے یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو، حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا وقت کے حاکموں کو، اس نے کہا: "اذيتخذون بها ثيابا وطيبا" وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں

پر خرچ کر ڈالتے ہیں فرمایا: ’’ وإن ‘‘اگر چہ ایسا کرتے ہوں مگر دو انہیں کو (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا (رص ۴۲۶، ۲۷ ترجمان القرآن ۳ر)۔

مصارف زکوٰۃ قرآن میں آٹھ بیان کئے گئے ہیں اور آج اگر دیکھا جائے تو چار ہی نظر آتے ہیں:

فقراء، مساکین، غارمین، فی سبیل اللہ۔

کیونکہ ’’ مولفۃ قلوبہم‘‘ خلافت راشدہ ہی میں محروم ہو گئے، ’’ عاملین علیہا‘‘ اسلامی حکومتوں کے زوال کے بعد باقی نہیں رہے، ’’ فی الرقاب‘‘ تو آج کی دنیا کہتی ہے عنقا ہو گیا، ’’ ابن السبیل‘‘ اگر خالی ہاتھ ہے تو فقراء اور مساکین کی مد میں آجائے گا، ورنہ وہ فون کر کے گھر سے D.D. منگوا سکتا ہے، ’’ فی سبیل اللہ‘‘ کو متقدمین نے جہاد کی حد تک محدود رکھا اور آج وہ بھی نہیں، کچھ اہل علم نے اسی راہ کو شاہراہ بنا کر ہر نیک کام کو اس مد میں داخل کر کے مستحق زکوٰۃ قرار دے دیا، لیکن میں استثمار زکوٰۃ کے جواز کو فی سبیل اللہ کی راہ سے نہیں پہلے اور دوسرے مصرف ہی کو پیش نظر رکھ کر ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔

زکوٰۃ کی اصل حکمت فقیر اور مسکین کی اعانت ہے اور یہ اعانت جس قدر پائیدار ہوگی قرآن کا مقصود اصلی وہی ہوگا، وقتی اور ضمنی تعاون فقیر و مسکین کو محتاج ہی رکھے گا، اور اگر سالانہ وظائف بھی مقرر کر دیئے جائیں تب بھی وہ اپنی سطح سے اوپر تو نہیں اٹھیں گے بلکہ ہمیشہ کے لئے اس فہرست میں ان کے نام درج ہو جائیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ فقیر اور مسکین کا تعاون ایسے انداز میں ہو کہ ان کا نام بھی بدل جائے اور ان کی حیثیت میں بھی فرق آجائے، یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ نفع بخش کارخانے اور صنعتی مراکز زکوٰۃ کے پیسوں سے قائم کئے جائیں بھلے سے ان میں نفع کم ہو مگر نقصان کا امکان نہ ہو، فقیر اور مسکین کو ان کی قابلیت کے مطابق فرائض تقسیم کر کے انہیں شیئر ہولڈر بنا دیا جائے تو تملیک کی بات بھی رہ جائے گی فقراء و مساکین کارخانے کے مالک اسی طرح ہوں گے جیسے قرآن نے کہا:

"أما السفینة فکأنت لمساکین یعملون فی البحر" (سورۂ کہف: ۷۹)۔
(یعنی صحیح سلامت معیاری کشتی کے مالک مساکین تھے)۔

میں نے صحیح سلامت کا نکتہ " یأخذ کل سفینة غصبا" کی تفسیر میں مفسرین نے جو سفینہ صحیحہ کہا اسی سے اخذ کیا ہے، اس پوری تمہید میں سوال نمبر (۱) کے الف، با اور ج کے جوابات موجود ہیں، یعنی زکوٰۃ کی رقم سے استثمار درست ہے، جائز ہونے کے لئے دلائل ذکر کر دیئے گئے ہیں کہ استثمار سے فقراء اور مساکین کی اعانت ہی نہیں بلکہ ان کے فقر و مسکنت کے خاتمہ کے امکانات بھی موجود ہیں جو ارشاد ربانی کا مقصود اصلی ہے۔ کیونکہ رقاب، عازمین اور ابن السبیل کو چند پیسے دینے سے کچھ نہیں ہوتا، ضرورت تو اس بات کی ہے کہ غلامی سے مکمل آزادی، قرض سے مکمل نجات اور مسافر کو گھر پہنچانے میں مدد دی جائے تا کہ وہ غلام، مقروض اور درماندہ مسافر اپنی پریشانی سے باہر نکل آئیں، اسی طرح زکوٰۃ سے فقیر اور مسکین کو بھی ان کی سطح سے اوپر لانا ضروری ہے، زکوٰۃ کے مسائل جہاں بھی مشتبہ ہوئے فقہائے کرام نے "انفع للفقراء" کی صورت ہی کو ملحوظ رکھا ہے۔

(ج) تملیک کی شرط بہت حد تک حصص کا شریک بنا کر پوری کر دی گئی ہے۔

۲۔ ذرا مشکل ہے، کیونکہ اس میں تملیک کی شرط مفقود ہے، اگر دور کی کوڑی لا کر ایسے مکانات کو زکوٰۃ سے قائم ہونے والے کارخانوں کی ملک میں کر دیا جائے تو جس طرح یہ فقراء و مساکین کارخانے کے حصص کے مالک بنائے گئے ہیں، اسی طرح ان مکانات کے مکمل مالک بنے بغیر قیام اور استخدام کا حق رکھ سکتے ہیں۔

۳۔ اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، کیونکہ سلف میں ائمہ دین کی ایک جماعت اس کے حق میں ہے، ان کا کہنا ہے کہ فقیر اور مسکین جس چیز سے محروم ہیں وہی ان کو مہیا کرنا زکوٰۃ کا مقصود ہے، فقیر کو اتنا دیا جائے کہ عمر بھر کے لئے کافی ہو جائے، امام شافعی، اہل عراق اور خراسان کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ فقیر کو اس کے پیشے اور صنعت کی مقدار میں وہ سب دیا جائے کہ وہ

خود کفیل ہو جائے کسی کے پاس کوئی ہنر نہ ہو تو زمین جائداد وغیرہ خرید کر اسے دیدی جائے اس کا مالک بن کر وہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہو جائے گا اور وارثت میں اس کی یہ جائداد اس کے بعد تقسیم ہوگی، شمس الدین رملی نے ''منہاج للنووی'' کی شرح میں یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ ہر فقیر کی انتہائے عمر بستی والوں کی عمر پر قیاس کر کے اس کا حصہ دے دیا جائے، اگر وہ اس حساب کے بعد جیتا رہے گا تو سال بسال اسے دیا جاتا رہے گا (المجموع للنووی ۶/ ۱۹۳، ۱۹۵)۔

امام احمد کے مذہب میں فقیر کے لئے جائز ہے کہ اپنی ضرورت کی ہر چیز لیتا رہے، کاروبار سے متعلق ہو یا صنعت وحرفت سے بعض حنابلہ نے اسی رائے کو پسند کیا ہے اور اس پر عمل کو ترجیح دی ہے (الانصاف ۳/ ۲۳۸)، حضرت عمر فاروقؓ نے اعلان ہی فرمادیا: ''إذا أعطيتم فأغنوا '' (کتاب الاموال/ ۵۶۵)۔

صدقہ تقسیم کرنے والے افسران کو آپ نے حکم دیا کہ ''كرروا عليهم الصدقة وإن راح على أحدهم مائة من الإبل '' (کتاب الاموال/ ۵۶۵) امام غزالی فرماتے ہیں کہ امیر اگر فقیر ہوگیا ہو تو اس پرانی حالت پر لوٹانے کی حد تک دیا جاسکتا ہے، چاہے وہ دس ہزار درہم ہی کیوں نہ ہو (احیاء علوم الدین للغزالی ۱/ ۲۰۱)، دکتور محمد محمود حجازی ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ''المراد به هنا مصالح المسلمين العامة التي بها قوام دينهم و دولتهم من كل خير يعو دعلى المجموع، وهذا يشمل تسهيل العمل لكل عامل'' ۔

☆☆☆

اموال زکاۃ کا استثمار، تملیک کی بعض صورتیں

مولانا محمد اعظمی، مئو

۱- اموال زکوۃ سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کر کے ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکاۃ اور دوسرے مصارف میں تقسیم کرنا مشروع صورتوں میں سے ایک صورت ہے، جو قرون اولیٰ میں رائج تھی، زکوۃ کا اولین مقصد فقراء و مساکین کی بنیادی ضروریات زندگی پوری کرنے، اور زکوۃ وصدقات پر گزر بسر کرنے کی ذلت سے بچانے کے ساتھ مصالح المسلمین کی حفاظت ورعایت کا انتظام بھی کرنا ہے۔

صورت مسئولہ میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ ان کارخانوں وفیکٹریوں کا مالک ومتصرف کون ہوگا؟ جبکہ اس کے جواز وعدم جواز کی ساری عمارت جمہور اہل مذاہب کے نزدیک تملیک وعدم تملیک کی بنیاد پر کھڑی ہوئی ہے، استثمار اموال زکوۃ کے سلسلہ میں ''شرح منہاج''، لشمس الدین الرملی کے حوالے سے دکتور یوسف القرضاوی نے لکھا ہے کہ:

'' ولیس المراد باعطاء من لا یحسن الکسب إعطائه نقدا یکفیه بقیة عمره المعتاد، بل إعطائه ثمن ما یکفیه دخله منه، کأن یشتری له به عقار یستغله و یغتنی به عن الزکاة فیملکه ویورث عنه'' (فقہ الزکاۃ ۲/ ۵۶۵)۔

(فقیر ومسکین کو مال زکوۃ سے اتنی پونجی یا ذریعہ آمدنی کا انتظام کر دیا جائے کہ اس کی آمدنی سے زکوۃ کا محتاج نہ رہے اور یہ ذریعہ آمدنی (کارخانہ یا کھیتی وغیرہ) فقیر ومسکین کی ملکیت ووراثت میں رہے)۔

دکتور یوسف القرضاوی حفظہ اللہ نے زکوٰۃ کے موضوع پر بہت تفصیل و تحقیق کے ساتھ ایک موسوعہ "فقہ الزکوٰۃ" کے نام سے دو جلدوں میں مرتب کیا ہے، اس میں اموال زکوٰۃ کے استثمار پر بہت ترغیب دی ہے اور اس کے ذریعہ فقر و فاقہ کے عملی علاج کی طرف رہنمائی ہے، موصوف نے کارخانوں وغیرہ میں تملیک للفقراء کا ذکر بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو: فقہ الزکوٰۃ ۱/۵۷۵-۵۷۹)۔

ہمارے نزدیک اموال زکاۃ کے استثمار اور تملیک کی مشروع صورتیں مع ادلہ حسب ذیل ہیں:

ابتدائے اسلام سے زکوٰۃ کا نظام بیت المال کی شکل میں جاری رہا، اس کی اولین مستقل آمدنی اموال زکوٰۃ ہی تھے، امام یا ولی الامر اس کے استثمار کی تدبیر و کوشش کر کے فقراء و مساکین کی مالی کفالت اور ضروریات زندگی کی کفالت، نیز مصالح المسلمین کے انتفاع کا انتظام کیا کرتا تھا، چنانچہ حدیث شریف میں یہ بات مذکورہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بیت المال سے اپنا وظیفہ لیتے وقت کہا تھا کہ بیت المال کی تثمیر و توسیع کے لئے کوشش کرتے رہیں گے، تاکہ بیت المال نقصان یا خلاء سے دوچار نہ ہو، یہ روایت اس طرح ہے:

" ان عائشة قالت لما استخلف أبو بكر الصديق قال لقد علم قومي أن حرفتي لم يكن تعجز عن مؤنة أهلي وشغلت بأمر المسلمين فسيأكل آل أبي بكر من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه" (صحیح بخاری ۱/۲۸۷)۔

اس حدیث میں " یحترف" کا لفظ بہت جامع ہے جو بیت المال کو کثیر المنافع اور زیادہ بارآور بنانے کے لئے اضافۂ زکاۃ کی تدبیر، تجارت، حرفت، صنعت، زراعت اور دوسرے ذرائع استعمال کرنے پر دلیل صریح ہے، چنانچہ ابن اثیر جزری اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أراد باحترافه للمسلمين نظره في أمورهم و تثمير مكا سبهم و أرزاقهم" (نہایہ ۱/۳۶۹)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

" قال المهلب إقوله:" اتجر لهم" في مالهم حتى يعود من ربحه بقدر ما آكل أو أكثر".

اس کے بعد حافظ ابن اثیر کے بیان کردہ معنی کو اوجہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

" أنه (أن ابا بكر) كان يعطي المال لمن يتجرفيه ويجعل ربحه للمسلمين"(فتح ۲/۳۵۷)۔

معلوم ہوا کہ اسلامی دور میں بیت المال کا راس المال (زکوۃ) محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو فقراء و مساکین اور دوسرے مصارف میں خرچ کیا جاتا تھا، تاکہ بیت المال پونجی سے خالی نہ ہونے پائے، اس طرح جب اموال زکوۃ سے حاصل ہونے والے منافع مستحقین زکوۃ پر تقسیم کر دئے گئے تو تملیک دو طرح سے ثابت ہوئی، ایک یہ کہ اموالِ زکوۃ اور ان کے منافع کے درمیان صریح تلازم ہے، دوسرے یہ کہ مال زکوۃ کو اولی الامر (جماعتی بیت المال، یا سوسائٹی و تنظیم) کے حوالے کر دینے سے تملیک متحقق ہو جاتی ہے، شرعی اصول کی رو سے زکوۃ کو فقیر کے ہاتھ میں دینا ضروری نہیں ہے، چنانچہ دکتور قرضاوی لکھتے ہیں:

"أن التمليك يتحقق بإعطاء الزكاة لأولى الأمرو ليس بلازم أن يضعها المالك في يد الفقير ،فإذا قبضها الإمام أو نائبه، كان له أن يصرفها في هذه الأمور"(فقہ الزکاۃ ۲/۶۵۱)۔

اموالِ زکوۃ کے استثمار کی جائز صورتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ کارخانے وغیرہ قائم کر کے فقراء کو ان کا مالک بنا دیا جائے، اور وہ ان کی آمدنی سے منتفع ہوتے رہیں، لیکن اوقاف کی طرح انہیں ان کارخانوں کو فروخت کرنے اور ان کی ملکیت منتقل کرنے کا حق نہ ہو، جیسا کہ دکتور قرضاوی نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وتستطيع الدولة المسلمة بناء على هذا الرأى أن تنشئى من أموال

الزكوٰة مصانع و عقارات ومؤسسات تجارية و نحوها ، وتملكها للفقراء كلها أو بعضها ، ولا تجعل لهم الحق في بيعها ونقل ملكيتها، لتظل شبه موقوفة عليهم "(ایضاً ۵۶۷)۔

صورت مذکورہ میں کارخانوں وغیرہ کی عدم بیع وعدم نقل ملکیت کی قید ہمارے نزدیک مناسب حال اور موافق شرع ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ بدلتے ہوئے حالات، لوگوں میں تغیرات اور بلاد وامصار کی معیشت ومعاش کے دلائل میں تفاوت واختلاف کا اثر شرعی مسائل پر بھی پڑتا ہے، شریعت میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، موجودہ دور میں ایمان وامانتی تغیرات عام ہیں بالخصوص فقراوغرباء کے طبقہ میں اخلاقی پستی اور ایمان وامانت کے انحطاط وزوال کے مظاہر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں، بے کاری وکام چوری ان کی عادت ہوتی ہے ان سے کوئی بعید نہیں ہے کہ کارخانے اور ان کی مشینیں ودیگر سامان وآلات سب کچھ بیچ کھائیں، اس لئے اموالِ زکوٰۃ کو ضیاع وفساد سے محفوظ رکھنے کے لئے مذکورہ قید کیساتھ کارخانوں، فیکٹریوں اور زمینوں کو مقید رکھا جانا مصلحت کا تقاضا ہے، شریعت میں بھی اس کی اصل موجود ہے، حدیث وفقہ کی کتابوں میں ''کتاب البیوع'' کے تحت "باب الحجر والتفليس" بھی مذکور ہوتا ہے اس میں اضاعۃ مال کے خطرے کے پیش نظر کچھ لوگوں کو مال میں تصرف کرنا اور کوئی معاملہ کرنا شرعی طور پر ممنوع قرار دیا جاتا ہے، سید سابق لکھتے ہیں:

"قال ابن المنذر: أكثر علماء الأمصار يرون الحجر على كل مضيع لماله صغيراً كان او كبيراً" (فقہ السنہ ۳/۲۸۰)۔

تنبیہ!۱- یہ بات ملحوظ رہے کہ کارخانوں وفیکٹریوں کے قیام کا مقصد فقراء کو باروزگار بانا اور ان میں جو جس کام کا اہل ہو اس میں اس کو مشغول کر کے اس پوزیشن میں لانا ہے کہ معاش وضروریات زندگی کی تکمیل میں کسی کا دست نگر نہ رہے، اس مقصد کے لئے کارخانوں کے منافع ان پر تقسیم کردینا کافی نہیں ہے، البتہ جو معذور ہوں، جیسے نابینا، اپاہج، ضعیف العمر، دائم المرض وغیرہ قسم

کے ہوں ان کو سالانہ یا ماہانہ رقم مقرر کر دی جائے۔

۲- صورت مسئولہ میں مذکور ہے کہ ''کارخانوں میں مستحقین زکوٰۃ کو ملازم رکھنا'' یہ محل نظر ہے، کیونکہ اموالِ زکوٰۃ سے قائم کردہ کارخانوں اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کے مالک مستحقین زکوٰۃ ہی ہیں، اگر ان میں ان کو ملازم بھی رکھا جائے تو اس کا معاوضہ الگ سے ملنا چاہئے اموال زکوٰۃ سے قائم کردہ کارخانوں کے ذریعہ استثمار کی شرعی حیثیت یہ بھی ہو سکتی ہے جو حضرت عمرؓ نے غنیمت وفی کی زمینوں کو تقسیم کئے بغیر باقی رکھا تھا تاکہ بعد میں آنے والے بھی منتفع ہوتے رہیں۔

۳- مال زکوٰۃ سے رہائشی مکان یا دوکان برائے تجارت تعمیر کر کے فقراء کو بغیر تملیک محض رہائش یا تجارت کے لئے دینا شریعت میں اس کی کوئی نظیر اور اقوال فقہاء میں کوئی قول ہماری نظر سے نہیں گزرا، اگر اس مکان یا دوکان کی نوعیت اس طرح کی ہو کہ وہ صرف فقراء کی رہائش یا تجارت کے لئے خاص نہ ہو، بلکہ غیر مستطیع مسافروں نادار طالب علموں، مزدوروں اور غازیوں کی رہائش اور مصالح کے لئے بھی عام ہو، اور اس مکان یا دوکان کا نظام کسی امین تنظیم کے تحت ہو تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، کیونکہ یہ صورت مصارف زکوٰۃ میں سے ''فی سبیل اللہ'' اور ''ابن السبیل'' کا بھی مصداق ہے، ان دونوں میں اکثر فقہاء کے نزدیک تملیک شرط نہیں ہے۔

۴- مال زکوٰۃ سے مکانا یا دوکانات تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دینے سے کوئی شرعی مانع یا قباحت بظاہر موجود نہیں ہے۔

☆☆☆

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک کی شرط

مولانا عبدالغفار

جن جن مصارف کی تعین قرآن پاک نے کر رکھی ہے ان تمام میں اموال زکوۃ مستحقین کو دیکر مالک بنانا ایک ایسا امر ہے جس پہ قرآن و حدیث، اقوال فقہاء سب متفق ہیں ثبوت تملیک قرآن پاک سے۔

"أتو الزكاة" (سورۂ بقرہ:۴۳)، "ان تبدوا الصدقات فنعما هى أوتخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خيرلكم" (سورۂ بقرہ:)ان دونوں آیتوں میں زکوۃ سے متعلق إیتاء کا حکم دیا گیا ہے اور "إیتاء" بلا تملیک کے مقصود ہی نہیں ہوسکتا ہے، اس طرح ان آیتوں سے تملیک کا ثبوت ملتا ہے، اسی طرح آیت قرآنی: إنما الصدقات للفقراء والمساكين" (سورۂ توبہ:۶۰) میں للفقراء کی لام کو تملیک کے لئے بعض ائمہ نے مانا ہے، جس سے تملیک کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: "قال الشافعي: أللام لام تمليك كقولك المال لزيد وعمر وبكر" (تفسیر قرطبی ۴/۱۶۷) ایسے ہی محمد بن ابوبکر المعروف بابن العربی نے بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے: "منهم قال: ان هذه لام التمليك هذالمال لزيد وبه قال الشافعي" (احکام القرآن ۲/۵۱)۔

شافعیہ کے یہاں مذکورہ آیت میں لام تملیک کے لئے ہے، اور دوسرے ائمہ کے یہاں اگر چہ لام تملیک کے لئے نہیں ہے مگر تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں "إنما" حصر

حقیقی کے لئے ہے، اور آیت میں مذکورہ مصارف کے علاوہ کسی بھی مصرف میں زکوۃ کا خرچ کرنا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح احادیث سے بھی تملیک کا ثبوت ہے، ثبوت تملیک احادیث سے حضرت معاذ کو اللہ کے رسول نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اس وقت چند نصیحتیں کی تھیں جن میں صدقہ کے بارے میں یہ ہدایت نامہ جاری کیا گیا تھا: "توخذ من أغنيائهم وترد في فقرائهم" (ابوداؤد ۲/ ۲۲۳) اور "أد في الفقراء" ظاہر ہے کہ بلا مستحق زکوۃ کے مالک بنائے مستحق نہیں ہوسکتا، لہٰذا تملیک ثابت ہو گیا، اس کے علاوہ ایک اور حدیث اس بارے میں یوں وارد ہے: منه حجيفة عن أبيه قال: قدم علينا مصدق رسول الله، فأخذالصدقة أغنيا ئنا فجعلها في فقرا ئنا" (۱) جس سے تملیک کا ثبوت ملتا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے (تملیک) مال زکوۃ فقراء کو دیکر مالک بنادینا ثابت ہورہا ہے۔

رقوم زکوۃ کا استثمار:

اب جبکہ تملیک کی حیثیت معلوم ہوچکی ہے یہ معلوم کرنا کہ استثمار درست ہے، یانہیں کوئی مشکل امر نہیں رہا، استثمار زکوۃ کو زیادہ سے زیادہ نفع والا بنانا۔

مثلاً کارخانے وفیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ منافع حاصل کر کے فقراء میں تقسیم کیا جائے، ان فیکٹریوں میں مسلم فقراء کو ملازمت دیکر ان کے لئے روزگار فراہم کردیا جائے، بلاشبہ یہ ایک اچھا کام ہے، اس طریقے کو اختیار کرنے میں فقراء کو زیادہ نفع ہوگا، مگر یہ بات تو بداہۃً معلوم ہوجارہی ہے کہ اس صورت میں ادائیگی زکوۃ کی اصل روح (تملیک) مال زکوۃ غرباء و مستحقین کو دے کر مالک بنادینا نہیں پایا جارہا ہے، کیونکہ مذکورہ صورت میں فقراء صرف منافع کے مالک قرار پارہے ہیں، لہٰذا ایسے مقصد صالح بھی استثمار زکوۃ جائز ودرست نہیں، خواہ فقراء کو ہی ان فیکٹریوں میں اور کارخانوں میں ملازم رکھا جائے۔

اپنی رائے:

بندہ کی رائے یہ ہے کہ مال زکواۃ سے فیکٹریاں اور کارخانے قائم کرنا جائز و درست نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیے، یہ کوئی اپنی بات نہیں، بلکہ تقریباً تمام ہی فقہا وائمہ اربعہ نے بھی صراحت کی ہے کہ ہر وہ کام جو گرچہ باعث ثواب ہی کیوں نہ ہو، اگر اس میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں تو اس میں مال زکوۃ خرچ کرنا درست نہیں ہوگا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"صرف الزكواة إلى وجوه البر من بناء المساجد والرباط والسقايات وإصلاح القناطر وتكفين الموتى ودفنهم أنه لا يجوز؛ لأنه التمليک أصلاً"

(دیکھئے: بدائع ۲/ ۱۴۲، مجمع الانہر، شرح نقایہ ۱/ ۳۸۹ وغیرہ)۔

ان کتابوں کے مصنفین نے عام رفاہی اداروں کی تعمیر وغیرہ پر رقوم زکوۃ خرچ کرنے کو حرام و ناجائز بتایا ہے، اسی طرح فقہ حنبلی کے ترجمان صاحب "المغنی" مساجد کی تعمیر، پلوں کی مرمت، کنوؤں کی کھدائی و عام رفاہی کاموں میں زکاۃ کی رقم خرچ کرنے پر عدم جواز کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولايجوز صرف الزكواه إلى غير من ذكر الله تعالى من بناء المساجد والقناطر والسقايات وإصلاح الطرقات ... وتكفين الموتى، والتوسعة على الأضياف وأشباه ذالک من القرب التى لم يذكر الله تعالى"

(المغنی ۲/ ٦٦٧)۔

ایسے ہی فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "الروضۃ المربع" میں ہے (دیکھئے: ۱/ ۱۴۳)۔

فقہ شافعی میں بھی اس کی صراحت موجود ہے (دیکھئے: المجموع ٦/ ۱۸۵)۔

بہر کیف مال زکوۃ سے کارخانہ قائم کرنا جائز و درست نہیں ہے، حتی کہ مسجد مدرسہ ہسپتال وغیرہ بنانے میں بھی خرچ نہیں کر سکتے (دیکھئے: التعلیق للیسر علی ہامش ملتقی الابحر ۱/ ۱۸۸)۔

مال زکوۃ کا خرچ اور حیلہ تملیک:

فقہا نے ان جیسے امور میں مال زکوۃ خرچ کرنے کا حیلہ بیان کیا ہے، اگر ان حیلوں کے بعد کارخانے وفیکٹریاں قائم کی جائیں تو پھر جائز ودرست ہوگا، وہ حیلہ یہ ہے کہ کسی فقیر کو مال زکوۃ دے کر اس سے کہا جائے کہ تم کارخانے وفیکٹریاں بنادو اور وہ تیار ہو جائے تو جائز ہوگا، اور ایسی صورت میں صدقہ کرنے والے کا ثواب اور فقیر کو مذکورہ کام میں خرچ کرنے کا ثواب ہوگا (فتاوی ہندیہ ۶/ ۳۹۲)۔

اسی طرح حیلہ کا تذکرہ صاحب ''درمختار'' نے کیا ہے:

''أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الاشیا ء''.

(درمختار وشامی ۲/ ۶۳)۔

اسی طرح کا حیلہ علامہ ابن نجیم مصری البحرائق میں (۲/ ۴۲۴) اور علامہ کاسانی نے بدائع میں بیان کیا ہے (بدائع ۲/ ۱۳۹)، لہذا ان حیلوں کے بعد ہی مذکورہ مصارف پر رقوم زکوۃ خرچ کئے جائیں۔

مکانات ودکان بنا کر فقراء کو صرف رہائش وتجارت کے لئے دینے کی صورت میں زکوۃ کی ادئیگی:

سابقہ تفصیل سے یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ مال زکوۃ میں (تملیک) مستحقین کو دے کر مالک بنانا ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوتی، اس تفصیل کی روشنی میں جب ہم غور کرتے ہیں تو مکانات ودکانات تعمیر کر کے فقراء کو بے بغیر مالک بنائے صرف رہائش وتجارت کے لئے دینے میں بھی چونکہ صرف منافع کا مالک بنانا ہوتا ہے، اصل مال کا نہیں، اس لئے تملیک کی شرط مفقود نظر آتی ہے تو لامحالہ ایسی صورت میں زکوۃ ادا نہ ہوگی، ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''لو دفع إلیه داراً لیسکنها من الزکاة لا یجوز کذا في الزاهدی'' (فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۹۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق مال زکوۃ سے مکانات وغیرہ بنوا کر فقراء کو بغیر مالک بنائے دینے کی صورت میں زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

ادائیگی زکواۃ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عین وہ شئی ہی زکوۃ میں دی جائے جس میں زکوۃ فرض ہوئی ہے، بلکہ دوسری چیز دے سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ مال متقوم ہو، خواہ دوسری چیز اسی جیسی ہو، یا دوسری جنس سے (بدائع الصنائع ۲/۱۴۶)۔

اس لئے اگر رقوم زکوۃ نہ دیکر مکانات ودکانیں تعمیر کر کے فقراء و مستحقین کو دیکر مالک بنادیا جائے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بشرطیکہ یہ عمل خود مزکین زکوۃ کریں، یا وہ شخص کرے جس کی جانب سے دلالۃ یا اشارۃ وکالت حاصل ہو کہ اس صورت میں وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہو کر زکوۃ ادا ہو جائے گی (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۱/۱۹۰، حجۃ اللہ ۲/۴۵)۔

البتہ مکانات ودکانیں بنوا کر دینے والا خود مزکی نہیں کوئی کمیٹی ہے، یا کوئی شخص ہے جن کو فقراء کی جانب سے صراحتا یا دلالتاً وکالت بھی حاصل نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ عمل درست نہیں ہوگا۔

☆☆☆

استثمار بہ اموال زکوۃ کی شرعی حیثیت

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

سب مصارف مذکورہ میں یہ شرط ہے کہ جن کو زکوٰۃ دی جاوے ان کو مالک کردیا جائے، بدون تملیک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (بیان القرآن ۴/۱۹۔ ۱۲۰ طبع تاج پبلشرز دہلی)۔

تشریح: چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر ﷺ پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے، اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دیدی ہے، آپ ﷺ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے، کسی کے خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے، حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا، بلکہ بذاتِ خود اس کے مصارف متعین کردئے ہیں، جو آٹھ ہیں...... ''حنفیہ'' کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے (تفسیر عثمانی / ۲۶۰)۔

زیر بحث مسئلہ میں استثمار کے ناجائز ہونے کے سلسلہ میں صفحہ (۵) سے لے کر مسلسل صفحہ ھذا (۹) تک جو معتبر فقہی نصوص پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں استثمار کا عدم جواز بالکل واضح اور مبرہن ہو کر سامنے آگیا ہے اور ان کا خلاصہ اگر کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ استثمار کا مطلب یہ ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو عینِ مال زکوٰۃ کا مالک بنانے کے بجائے اس مال سے حاصل شدہ منافع کا مالک بنایا جائے اور زکوٰۃ کی شرعی تعریف میں مستحق زکوٰۃ کو عین اسی مقدار اور مال

☆ مفتی وصدر مدرس دار العلوم، محلّہ توحید گنج بارہ دولہ کشمیر۔

کے جزء کا مالک بنانا لازم قرار دیا گیا ہے جو کہ مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے ادائیگی زکوٰۃ کی نیت سے اپنے مال سے علیحدہ کیا ہے۔

اسکے بعد ہم مندرجہ بالا فقہی نصوص کا ترجمہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۱-لغت میں زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور بڑھوتری کے ہیں اور شرعاً زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ کسی محتاج مسلمان کو جو نہ ہاشمی ہو اور نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہو، مال کے اس جزء کا مالک بنا دینا جو شریعت مطہرہ نے مقرر کیا ہے (شامی ۲/۲-۳)۔

درج بالا تعریف فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ''تنویر الابصار'' سے نقل کی گئی ہے، پھر اس کتاب کے شارح علامہ علاؤ الدین حصکفیؒ اپنے مشہور و مقبول حاشیہ میں اس تعریف کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الف) (اوپر تعریف میں خط کشیدہ لفظ) مالک بنادینے کا مطلب یہ ہے کہ جس مستحق کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہو کہ یہ دیا ہوا مال اب میری ملکیت ہے میں جو چاہوں اور جس طرح چاہوں اس میں تصرف کرسکتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی محتاج یتیم کو کھانا کھلا دے تو زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوگی، جبکہ زکوٰۃ دینے کی نیت کر کے وہ کھانا باقاعدہ اس یتیم کی ملکیت میں دے دے گا، ایسے ہی کپڑے دینے میں بھی نیت کے ساتھ مستحق زکوٰۃ کو باقاعدہ کپڑے کا مالک بنانا ضروری ہے (دیکھئے: حوالہ سابق)۔

(ب) (اوپر کی تعریف زکوٰۃ میں دوسرے خط کشیدہ لفظ) مال کے جز کا مالک بنانے کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ صرف منافع کو مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر کے ایک سال اپنے گھر میں (مفت) ٹھہرا لے (مثلاً یہ سوچ کر کہ میرے اوپر بارہ ہزار روپے سالانہ زکوٰۃ کے فرض ہو چکے ہیں تو بجائے اس کے کہ میں بعینہ یہ رقم کسی مستحق کو دوں (اور وہ کھا پی کر برابر کرلے) اسے سال بھر تک اپنے گھر میں مفت ٹھہراؤں گا (کیونکہ اس کے پاس رہنے کے لئے مکان تک نہیں ہے)

اور اپنے دل میں اس کا واجبی کرایہ وصول شدہ مان کر ہر ماہ زکوٰۃ کی نیت کرتا رہوں گا) تو اس طرح کرنے سے وہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (جس کی اس نے نیت کی ہے) (درمختار علی الشامی ۲ ر ۲-۳)۔

۲-تملیک کی تشریح کرتے ہوئے صاحب ''فتح القدیر'' وغیرہ حضرات فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو یہ اطمینان ضرور کر لینا چاہئے کہ جس مستحق کو وہ زکوٰۃ دے رہا ہے وہ سمجھ دار اور اپنے نفع ونقصان سے پوری طرح باخبر ہے، اس معاملے میں اسے دھوکہ نہیں لگنا چاہئے (ورنہ تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی) تاہم اگر مستحق زکوٰۃ ناسمجھ ہے، خواہ بچہ یا لاوارث بچہ ہو، یا دیوانہ و پاگل تو ایسی صورت میں ان کا باپ، وصی اور ان کی کفالت کرنے والا قرابت دار یا اجنبی اگر ان کے لئے زکوٰۃ وصول کرے تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (بحر الرائق، ونہر الفائق اور قہستانی نے محیط سے نقل کرتے ہوئے یہی لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ یا تو از خود زکوٰۃ بطور مالک وصول کرے، یا پھر اس کا سرپرست یا کفیل وغیرہ اس کی جانب سے زکوٰۃ وصول کرے (شامی ۲ ر ۳، ۲ ر ۶۲)۔

۳-اگر کسی مستحق زکوٰۃ یتیم کی کفالت و پرورش کسی کے ذمہ ہے اور وہ کفیل خود بھی صاحب نصاب ہے تو جو کچھ وہ کفیل اس یتیم پر خرچ کرتا ہے وہ اس وقت تک زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا جب تک کہ کھلاتے، پلاتے اور پہناتے وقت وہ زکوٰۃ کی نیت نہ کر لے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر کے ہی مذکورہ یتیم کو کھلا، پلا اور پہنا رہا ہے تو اس کی زکوٰۃ یقیناً ادا ہو جائے گی، لیکن اس صاحب نصاب کفیل کے گھر میں پلتے ہوئے جو کھانے پینے کی چیزیں مذکورہ مستحق زکوٰۃ یتیم کو بلا اجازت واطلاع کھائے گا وہ زکوۃ میں شمار نہیں ہوں گی، کیونکہ بلا اجازت کھانے کی وجہ سے باقاعدہ تملیک مزکی کی جانب سے نہیں پائی گئی۔ صاجب بحر الرائق نے ''ولوالجیہ'' سے اور تاتارخانیہ نے عیون ومحیط سے یہی نقل کیا ہے (شامی ج ۲ ر ۳)۔

۴-(اوپر (۱) میں مال کے جز کی تشریح میں درمختار سے جو کچھ منقول ہے) صاحب

''بحر الرائق'' نے کشف کبیر کے حوالے سے اسی بات کو نقل کیا ہے اور اس سے پہلے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اھل اصول نے واضح طور پر مال کی تعریف میں کہا ہے'' مال وہ چیز ہے جس کو ضرورت کی خاطر جمع کیا جاتا ہے'' جس سے ظاہر ہے کہ مال کی تعریف صرف اعیان (موجودات) پر ہی صادق آتی ہے منافع پر نہیں (جس سے یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہوگئی کہ استثمار میں اموال زکوٰۃ کو ذریعہ بنا کر یہ سمجھ لینا کہ زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور غریبوں کا بھلا بھی ہو جائے گا نہایت غلط فہمی کی بات ہے، کیونکہ استثمار میں مال کی تملیک نہیں، بلکہ اموال زکوٰۃ کے منافع کی تملیک ہوتی ہے، جبکہ شریعت کا مقصد بعینہ اموال زکوٰۃ کی تملیک ہے (شامی ۲ر۳)۔

۵--اوپر فقہاء امت کی جو تصریحات پیش کی گئی ہیں ان سے بطور خلاصہ زکوۃ کے صحیح معنی میں ادائیگی کے جولوازمات، ارکان، وشرائط وغیرہ معلوم ہوتے ہیں وہ سب کے سب استثمار میں مفقود ہیں، مثلاً زکوٰۃ کا مالک ہونا (جس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے) بالکلیہ زیر بحث استثمار میں مفقود ہے اور اسی طرح مال زکوٰۃ کی تملیک (جو کہ زکوٰۃ کا رکن اعظم ہے) بھی استثمار میں معدوم ہے، لہذا مجوزہ استثمار کی قطعاً گنجائش نہیں نکلتی جبکہ درج بالا فقہائے کرام نے ہی مختلف رفاہی، فلاحی، اور دینی واصلاحی کاموں میں بھی اموال زکوٰۃ کو صرف کرنا ناجائز قرار دیتے ہوئے زکوٰۃ کے ادا نہ ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

مسئلہ زیر بحث کا ایک حل:

بطور شرعی حیلہ سے یہ گنجائش نکلتی ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو رقوم زکوٰۃ کا پوری طرح مالک بنا کر سوال نامہ میں درج نازک صورت حال ان کے سامنے رکھ دی جائے اور پھر استثمار کے مجوزہ منصوبہ کے مطابق ان کی آزادانہ رضا مندی سے ان کی رقوم کا استثمار کیا جائے اور یہ حقیقت بہرحال پیش نظر رہنی چاہئے کہ مالک ہو جانے کی وجہ سے ان کو مجوزہ منصوبے سے مکمل اتفاق کرنے، مکمل اتفاق نہ کرنے، اسے بالکلیہ مسترد کرنے یا اس منصوبے کی افادیت تسلیم کرنے

کے باوجود اس میں تعاون نہ کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ (درمختار مع الشامی ج ۲؍ ۶۳)

آخر میں سابقہ تفصیلی بحث کی روشنی میں آپ کے سوالات کے بالترتیب جوابات پیش خدمت ہیں۔

۱- (الف) رقوم زکوۃ کا استثمار جائز نہیں، کیونکہ تملیک مالک (رکن زکوۃ) یہاں معدوم ہے۔

ب- عدم جواز کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

ج- استثمار میں تملیک کا رکن معدوم ہے۔

۲- زکوۃ کے مال سے تیار شدہ مکان یا دکان کو بطور عاریت بغرض رہائش و تجارت مستحقین کو دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ تملیک نہیں پائی گئی۔

۳- فقراء کو باقاعدہ مالک بنا کر دکان و مکان وغیرہ دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

☆☆☆

اموال زکوۃ کا استثمار

مولانا محمد اقبال قاسمی☆

زکوٰۃ کی رقم سے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنا:

زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں اور فیکٹریوں میں فقراء اور مساکین کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار اور مستقل ذرائع آمدنی فراہم کردیا جائے گا ایسا کرنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے، اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر کسی نے ایسا کیا تو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک مال رکن ہے، یعنی مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم سپرد کرکے اس کو مالک بنا دینا، اس طرح کہ اصل مالک کا قبضہ ختم ہو جائے اور اس کو اس میں کسی طرح کا تصرف کرنے کا اختیار باقی نہ رہے، اور نہ اس سے کوئی مطلب رہے اور مستحق اس کا مالک بن جائے اور مالکانہ تصرف کا اس کا اختیار ہو جائے، علامہ کاسانی اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

”وأما ركن الزكوٰة فهو إخراج جزء من النصاب إلى الله و تسليم ذالك إليه بقطع المالك يده عنه“۔

(بہرحال زکوٰۃ کا رکن تو وہ نصاب کے ایک جزء کو اللہ تعالیٰ کی طرف نکال کر اس کو اس کے سپرد کردینا، مالک کا اپنے قبضہ کو اس سے ختم کرکے)۔

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ، دربھنگہ۔

تملیک زکوٰۃ کا عنصر اصلی اور رکن اساسی ہے:

اسی لئے اگر کسی نے اپنا مکان بطور زکوٰۃ رہائش کے لئے کسی مستحق زکوٰۃ کو دے دیا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چونکہ تملیک نہیں ہے۔

" ولو دفع إليه دار ليسكنها عن الزكوٰة لا يجوز كذا في الزاهدي" (فتاوی ہندیہ ۱/۱۹۰)۔

فقہائے کرام کی مذکورہ تمام عبارتوں سے یہ بات منقح ہو جاتی ہے کہ بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، خواہ اس کی رقم سے فقراء کو نفع کیوں نہ پہنچ رہا ہو اور کارخانے قائم کرنے سے اگرچہ نفع کی امید لگائی جا سکتی ہے اور فقراء کو روزگار فراہم ہو سکتے ہیں جس سے ان کے لئے مستقل ذرائع آمدنی کی شکل نکل سکتی ہے، لیکن چونکہ کارخانے کا ان کو مالک نہیں بنایا جاتا، اس لئے تملیک کی شرط نہیں پائی گئی، چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی استثمار سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کی رقوم کا جب تک کسی فقیر محتاج کو مالک نہیں بنا دیا جائے گا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ،ان کو اس رقم کا مالک بنا دیا جائے اس کے بعد اگر ان کی اجازت وتوکیل سے ایسا کوئی انتظام کیا جائے جو آپ نے لکھا ہے۔ تو درست ہے" (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۳۸۲)۔

اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مولانا یوسف صاحب تحریر کرتے ہیں:

"زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقیر کو یا چند فقراء کو آپ اس کا مالک بنا دیتے ہیں تو جتنی مالیت کا وہ کارخانہ ہے اتنی مالیت کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (حوالہ سابق ۳/ ۳۸۳)۔

اور زکوٰۃ کی رقم سے جس کارخانہ اور فیکٹری کو قائم کیا جاتا ہے ان کا مالک چونکہ فقراء کو بنایا نہیں جاتا، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا مالک کے ذمہ ضروری ہے۔

اموالِ زکوٰۃ کے استثمار کے عدم جواز کے دلائل:

قرآن پاک میں ہے: "وآتو الزکاۃ" (سورۂ بقرہ:۴۳)(تم لوگ زکوٰۃ دو) اور دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو مالک بنا دیا جائے اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ فقراء کو سپرد کر دیا جائے، اور زکوٰۃ کی رقم کی نسبت مالک سے ختم ہو کر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور فقیر اللہ تعالیٰ کا نائب ہو کر اس میں تصرف کرے، اسی کو تملیک کہا جاتا ہے (بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

اور جب فقیر اس کا مالک ہو جائے تو اس کو اس میں مالکانہ حقوق حاصل ہو جائیں گے، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ رقم جہاں چاہے جس ضرورت میں چاہے خرچ کرے اور اگر کسی دوسرے کو ہبۃً اس کا مالک بنا دے تو دوسرے کے لئے اس کو استعمال کرنا بغیر کراہت کے جائز ہو گا۔ خواہ وہ شخص غنی ہو یا غریب، اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط مفقود ہے۔

اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ فیکٹری سے حاصل ہونیوالے منافع کو تو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور ان کو ان منافع کا مالک بنا دیا جاتا ہے تو پھر زکوٰۃ کیسے ادا نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ روپے پیسے غلے، مویشی وغیرہ مستحقین زکوٰۃ کو دیدے جو زکوٰۃ میں واجب ہوئے ہیں، یا اتنی مالیت کا کوئی دوسرا سامان، یہ جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی مکان، یا گاڑی وغیرہ خرید کر کرایہ میں لگا دے اور کرایہ کو فقراء میں تقسیم کرے، کیونکہ اس سے تو زکوٰۃ کی رقم فقراء کی ملکیت میں آتی ہے اور نہ اس رقم سے خریدی ہوئی چیز، وہ چیز تو خود مالک ہی کے قبضہ میں رہتی ہے، یا اس کے وکیل کے قبضہ میں اور معوض پر قبضہ عوض پر قبضہ کے حکم میں ہے، اس لئے رقم پر بھی مالک ہی کا قبضہ رہا۔ اور جب فقراء کا قبضہ ہوا ہی نہیں تو زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی، زیر بحث مسئلہ کی بعینہ یہی شکل ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے رہائشی مکان یا دوکان تعمیر کرنا:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں ان کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ

ان کو رہائش یا تجارت کے ذریعہ مکان یا دکان سے نفع حاصل کرنے کی اجازت تو ہے، لیکن وہ اس کے مالک نہیں ہیں اور اس طرح نفع حاصل کرنے کی اجازت دینا اباحت ہے تملیک نہیں ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقراء کو مالک بنانا شرط ہے" درمختار" میں ہے:

"ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة" (درمختار ۲/۶۸ باب الصرف)۔

(یہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دینا بطور اباحت نہ ہو)۔

اسی لئے اگر کوئی اپنا مکان بنیت زکوٰۃ کسی مستحق کو ایک سال تک رہائش کے لئے دیدے تا کہ کرایہ کے بقدر زکوٰۃ ادا ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (درمختار ۲/۳، نیز دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۸۹)۔

ایک اور استفتاء کا جواب دیتے ہوئے مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

ایسے غریب اور نادار لوگ جو نصاب کے بقدر اثاثہ نہ رکھتے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنوا کر مکان کا مالک بنا دیا جائے، ایسے غریب اور ناداروں سے رقم کی واپسی کی توقع رکھنا عبث ہے، اس لئے رضا کارانہ واپسی کا سوال خارج از بحث ہے (حوالہ سابق ۳/۴۰۰)۔

اس لئے رہائش کے لئے مکان یا تجارت کے لئے دوکان دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک کہ ان کو مالک بہ بنا دیا جائے

زکوٰۃ کی رقم سے مکان، دوکان بنا کر فقراء کو مالک بنا دینا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ،اس لئے کہ زکوٰۃ کی شرط تملیک پائی گئی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے رقم ہی دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ اختیار ہے کہ چاہے رقم دے یا اس رقم کی مالیت کا کوئی سامان دے، اس لئے کہ شریعت میں بدل اور مبدل دونوں کا حکم یکساں ہے، فقہاء کا قول ہے: "البدل حکم

المبدل" (عالمگیری ۱/ ۱۸۲)۔

چناچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس دو کنٹل گندم ہوں جس کی قیمت دوسو درہم ہوں تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے زکوٰۃ میں گندم دے یا چاہے تو اس کی قیمت دیدے۔ "فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

"**وإذا كان لرجل مأتا قفيز حنطة قيمتها مأتا درهم فصاحبها بالخيار إن شاء أدى زكوٰة من العين وهى خمسة أقفزة حنطة، وإن شاء أدى زكوتها من القيمة كذا فى شرح الطحاوى**" (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۱۸۱)۔

(جب کسی کے پاس دوسو قفیز گندم ہوں جس کی قیمت دوسو درہم ہوں تو مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس کی زکوٰۃ خود گندم سے ادا کرے اور وہ پانچ قفیز گندم ہیں، اور چاہے تو اس کی زکوٰۃ اس کی قیمت سے ادا کرے)۔

جب زکوٰۃ میں وہ چیز بھی دینا جائز ہے جو صاحبِ نصاب مالک کے ذمہ واجب ہوئی ہے اور اس کی قیمت بھی تو پھر زکوٰۃ کی رقم سے دوکان یا مکان بنا کر فقراء کو مالک بنادینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، شرط ہے کہ اصل مالک کو اس مکان یا دوکان سے کوئی واسطہ نہ رہے، ان کو کاغذات سمیت تمام مالکانہ حقوق دیدیئے جائیں صرف نام کا مالک نہ بنایا جائے۔

☆☆☆

تملیک زکوٰۃ کی بعض صورتیں

مولانا ارشاد احمد اعظمی ☆

اس پر امت کا اتفاق ہے کہ صدقات واجبہ، یعنی زکوٰۃ انہیں آٹھ اصناف کے لئے مختص ہیں جن کا سورہ توبہ کی آیت:

"انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل "(سورۂ توبہ:۶۰)۔

میں ذکر ہے، ان کو فقہاء کی زبان میں مصارف زکوٰۃ کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ کسی اور پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے، کیونکہ ان مصارف کو" انما" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو قصر پر دلالت کرتا ہے۔ ابن قدامہ مقدسی کہتے ہیں:

"وإنما للحصر والإثبات ، تثبت المذكور و تنفي ماعداه" (المغنی ۴/ ۱۲۵)۔

(انما حصر اور اثبات کے لئے ہے، یہ مذکور کو ثابت کرتا ہے اور اس کے ماسوا کی نفی کرتا ہے)۔

اسی لئے کچھ اسباب کی بناء پر علماء نے اس میں سے بعض کے سہم کو ساقط تو کیا ہے، لیکن ان آٹھ مذکورین پر اضافہ کی گنجائش کسی کے نزدیک نہیں ہے۔

"ابوداؤد" میں زید بن حارث صدائی کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ مجھے صدقہ

☆ استاذ الفقہ والتفسیر والادب العربی، الجامعۃ الاسلامیۃ العربیۃ، بھوپال (الہند)۔

میں سے دیجئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو نبی اور غیر نبی پر نہیں چھوڑا، بلکہ اس نے خود اس کا فیصلہ کر دیا اور ان کو آٹھ اصناف پر تقسیم کر دیا اگر تم ان میں سے کسی سے تعلق رکھتے ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں۔

لیکن ان اصناف کو زکوٰۃ کا مال دینے کی شکل کیا ہوگی؟ کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مال زکوٰۃ کا بعینہ ان مستحقین کے ہاتھوں میں پہنچ جانا ضروری ہے یا ان کی طرف سے قبضہ کر کے محض منافع کو ان کے لئے مختص کرنے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال سے جڑا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے؟ یا اس کام کو انفرادی طور پر انجام دینا مطلوب ہے؟

عام طور پر یہ مزاج بن گیا ہے کہ لوگ اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود مستحقین تک پہنچاتے ہیں ایسی صورت میں اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ مال زکوٰۃ مستحق کو دے دیں اور اس کو اس میں مکمل تصرف کا مختار بنا دیں، اس کو کچھ لوگوں نے کتاب اللہ کا منشا، سنت رسول وسنت خلفائے راشدین اور ہمیشہ سے امت کا معمول بتلایا ہے۔

ان حضرات کے خیال میں کتاب وسنت کے نصوص اور فقہائے متقدمین کی تصریحات اسی پر دلالت کرتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں زکوٰۃ کا حکم "وآتو الزکوٰۃ" (سورۂ بقرہ: ۴۳) سے دیا گیا ہے اور "ایتاء" کے لئے تملیک لازم ہے، اسی طرح اس کو صدقات کہا گیا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہے، نیز مصارف زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے لام کا استعمال کیا گیا ہے جو تملیک کا مفہوم رکھتا ہے اور معاذ بن جبلؓ کی حدیث میں ہے:

" تؤخذ من أغنیاء هم فترد علی فقراء هم " (ابوداؤد ۲/ ۲۲۳) لہذا جو غنی سے اخذ کی شکل ہوگی وہی فقیر پر رد کی بھی ہونی چاہئے۔

اس کے بالمقابل دوسرے لوگ ہیں جو نصوص قرآنی واحادیث نبوی اور اقوال علماء کو اس معنی میں محصور نہیں کرتے کہ زکوٰۃ کی رقم کو بعینہ مستحق کے ہاتھ میں ہی پہنچنا چاہئے، ان کا

خیال ہے کہ زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کی تقسیم اصلا اسلامی حکومت یا اس کے قائم مقام کی ذمہ داری ہے، چنانچہ مصارف زکوٰۃ میں عاملین کا مستقل سہم اس بات کا بین ثبوت ہے کہ زکوٰۃ کو منظم طریقے سے وصول کرنے اور مستحقین کو مساویانہ طور پر ان کی مصلحت کو نظر میں رکھتے ہوئے تقسیم کرنے کے لئے مستقل طور پر نظام ہونا چاہئے۔

خود حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث کے الفاظ: " **تؤخذ من أغنياء هم فترد على فقراء هم** " (ابوداؤد ۲/ ۲۲۳) اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ ان اغنیاء اور فقراء کے علاوہ کوئی تیسرا بھی ہے جو ایک سے لیکر دوسرے کو دے گا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی "**إنما الصدقات للفقراء** " پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ آیت مصارف کی اصل مخاطب حکومت اسلامیہ ہے کہ جب زکوٰۃ وصول ہو کر اس کے پاس پہنچے تو اسے کہاں کہاں اور کس طرح صرف کرے (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک /۷۷)۔

اور یہ طے ہے کہ جب اس تیسرے شخص کے ہاتھ میں زکوٰۃ پہنچ گئی تو زکوٰۃ ادا کرنیوالے کی ذمہ داری ختم ہوگئی، مولانا مودودی نے امام احمد کے حوالے سے انس بن مالکؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "**اذا اديت الزكوٰة إلى رسولك فقد برئت عنها إلى الله ورسوله**" (جب میں نے آپ کے بھیجے ہوئے عامل کو زکوۃ ادا کردی تو میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے فرض سے بری الذمہ ہوگیا؟ حضور ﷺ نے جواب دیا: "**نعم إذا أديتها إلى رسولي فقد برئت منها أي الله ورسوله فملك أجرها واثمها على من بدلها** " ہاں! جب تو نے اسے میرے فرستادہ عامل کے حوالے کر دیا تو اللہ اور اس کے رسول کے آگے اپنے فرض سے بری الذمہ ہوگیا اس کا اجر تیرے لئے ہے اور جو اس میں ناجائز تصرف کرے اس کا گناہ اسی پر ہے) (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک /۶۷)۔

بہر حال مذکورہ وجوہات کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ علماء متقدمین کی تصریحات میں

تملیک کا مطلب وہ نہیں جو آج لیا جا رہا ہے، بلکہ ان کے اقوال میں تملیک کا بنیادی عنصر یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کے مفاد کا اس مال سے کلی طور پر خاتمہ ہو جائے اور ملکیت کی منتقلی عمل میں آجائے، اب اگر صاحب نصاب نے زکوٰۃ براہ راست فقیر کو دی ہے تو ملکیت فقیر کو منتقل ہو گئی اور وہ اس کے تصرف میں آزاد ہو گیا اور اپنی مصلحت کے لئے اسے کہیں بھی خرچ کر سکتا ہے، لیکن اگر اس نے فقیر کو براہ راست زکوٰۃ دینے کے بجائے اس کے نمائندہ کو دی ہے تو وہ فقیر کی طرف سے مالک ہو جائے گا اور جہاں فقیر کی مصلحت ہو گی اس میں تصرف کا اسے حق حاصل ہو گا، آج دینی مدارس میں عموماً یہی تو ہو رہا ہے، البتہ خود زکوٰۃ دینے والے کو یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ وہ فقیر کی مصلحت کا یقین کرے۔

غرضیکہ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کی بہتر شکل یہی ہے کہ اس کام کو اجتماعی طور پر انجام دیا جائے تا کہ اغنیاء پر دباؤ بنا رہے ہر صاحب نصاب سے اس کے مال کی زکوٰۃ لی جا سکے اور مستحقین پر عادلانہ اور منصوبہ بند طریقہ پر اس کو صرف کیا جا سکے اور اسلامی حکومت کی عدم موجودگی یا حکومت کی طرف سے تحصیل زکوٰۃ کا نظم نہ ہونیکی صورت میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مجموعی طریقہ پر اس فریضہ کو انجام دیں اور ہر جماعت اپنے حلقہ اثر میں اس ذمہ داری کو نبھائے اور جو لوگ ان کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے ان کو عاملین زکوٰۃ کی حیثیت حاصل ہو گی اور ان کو اپنے حدود میں تصرف کا حق حاصل ہو گا جو لوگ جماعت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو فضولی کہتے ہیں وہ اپنی ذمہ داری سے بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کو زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل کہتے ہیں وہ ایک کھلی حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔

آج استثمار کی بیشمار شکلیں ہمارے سامنے ہیں ان میں سے ایک فیکٹریوں اور کارخانوں کا قائم کرنا بھی ہے، ان فیکٹریوں کا شیئر فقراء و مساکین کے لئے مختص کر کے زکوٰۃ کا مال ان میں لگایا جا سکتا ہے یا زکوٰۃ کے مال کے بقدر شیئر و حصص فقراء و مساکین کے لئے محفوظ ہوں گے اور ان کے منافع ان پر تقسیم ہوں گے۔

ان کارخانوں میں اجرت پر کوئی بھی باصلاحیت کام کر سکتا ہے اور اسی طرح فقراء کو روزگار مہیا کرا کے ان کی حالت کو سدھارا جا سکتا ہے۔

زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات اور دکانیں تعمیر کرنے کی دو شکلیں ہیں:

۱- خود زکوٰۃ دینے والا اس رقم سے مکان یا دوکان تعمیر کرائے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی، علماء کی صراحت ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی منشاء کے مطابق مال زکوٰۃ میں تصرف نہیں کر سکتا، چاہے اس کی ملکیت بعد میں فقراء کی طرف منتقل کر دے اس میں کئی انتظامی اور شرعی قباحتیں ہیں۔

۲- پہلے اس زکوٰۃ کی رقم دولت مند کی ملکیت سے نکل کر اس ادارہ کی تحویل میں چلی جائے جو غرباء و مساکین کا نمائندہ ہے، وہ ادارہ پہلے فقراء و مساکین کی طرف سے اس رقم کا تملیک کرے گا اور پھر اپنے حدود میں رہ کر فقراو مساکین کی مصلحت کے تحت اس میں تصرف کرے گا، اگر وہ غرباء و مساکین میں رقم تقسیم کرنے کے بجائے مکان و دکان کی تعمیر کا کام بھی اپنے ذمے لے لیتا ہے اور پھر رہائش کے لئے مکان اور تجارت کے لئے دکان فقراء کے لئے مختص کر دیتا ہے تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ بعض حالتوں میں قرین مصلحت بھی ہے۔

☆☆☆

موجودہ حالات میں اموال زکوۃ کا استثمار

مولانا عبدالرشید قاسمی جونپوری

تملیک فقیر اور فقہائے حنفیہ:

امام ابوبکر ابن مسعود کاسانی حنفی (۵۸۷) لکھتے ہیں:

رکن زکوۃ یہ ہے کہ نصاب کا ایک حصہ نکال کر اللہ کے حوالہ کیا جائے، خاص طور پر مال کا مالک فقیر، یا اس کا نائب، یعنی عامل صدقہ کی ملکیت اور قبضہ میں وہ مال دے، اس طرح کہ اس مال سے بالکل دست کش ہو جائے، فقیر کی ملکیت اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور فقیر کو مالک بنانے اور فقیر کے حوالے کرنے میں صاحب مال اللہ کا نائب ہے، اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے:

"کیا لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالی ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقہ لیتا ہے"۔

اور رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "زکوۃ فقیر کی ہتھیلی میں جانے سے پہلے رحمان کے ہاتھ میں جاتی ہے"۔

اللہ تعالی نے مالکین اموال کو ایتائے زکوۃ کا حکم دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

"وأتوا الزكوة" (سورۂ بقرہ: ۴۳) (اور زکوۃ دو)۔

اور ایتاء (دینا) مالک بنانا (تملیک) ہے، اس لئے اللہ تعالی نے "إنما الصدقات للفقراء" والی آیت میں زکوۃ کو صدقہ کا نام دیا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہے، اور اس لئے کہ

زکوۃ ہماری اصل کے اعتبار سے عبادت ہے اور عبادت کا مطلب یہی ہے کہ کسی عمل کو کلیۃً اللہ کے لئے کرنا، زکوۃ میں یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب فقیر کے حوالہ کرنے کے بعد زکوۃ کے بقدر مال کی نسبت سے زکوۃ دھندہ کلیۃً منقطع ہو جائے، اور وہ خالص اللہ کے لئے ہو جائے، زکوۃ میں قربت کا مفہوم اپنی ملکیت ختم کر کے اللہ کی طرف اس مال کے نکالنے میں ہی ہے، تا کہ فقیر کو مالک بنانے میں، بلکہ فقیر کو مالک بنانا دراصل اللہ کی جانب سے ہے اور صاحب مال اللہ تعالی کی جانب سے نائب ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۴۳)۔

حاصل کلام:

علامہ کاسانی کی تحقیق بالا کا ماحصل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی نظر میں زکوۃ عنداللہ مقبول اسی وقت ہوگی، جبکہ زکوۃ کا مال کی نسبت سے تعلق منقطع ہو جائے اور زکوۃ لینے والا جس طرح چاہے اس کو ضروریات زندگی میں خرچ کرتا رہے، خواہ اس سے کپڑے، یا خورد ونوش کے سامان خریدے، یا دوکان ومکان کارخانے، فیکٹری تعمیر کرے، چونکہ اب وہ مال زکوۃ کا مکمل مالک ہے، اور اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔

فقہائے شافعیہ:

شیخ ابواسحاق شیرازی اپنے مسلک کا نقطہ نظر لکھتے ہیں:

''صدقات کو آٹھ قسموں میں خرچ کرنا واجب ہے، اس کی دلیل ارشاد ربانی ہے : ''إنما الصدقات للفقراء'' اس آیت میں تمام صدقات کی اضافت لام تملیک کے ذریعہ ان آٹھ قسموں کی طرف کی گئی ہے اور شرکت پر دلالت کرنے والے کے ذریعہ انھیں آپس میں شریک بنایا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ انھیں آٹھوں قسموں کی ملکیت اور انھیں کے درمیان مشترک ہے'' (المہذب ۱/ ۲۳۱)۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) زکوۃ کے پانچویں مصرف ''فی الرقاب'' کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیدنا امام شافعیؒ اوران کے شاگردوں نے فرمایا:''فی الرقاب'' کا حصہ مکاتب غلاموں پر خرچ کیا جائے گا، یہی ہمارا مذھب ہے اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، ہمارے فقہاء نے اسطرح استدلال کیا ہے کہ اللہ خالق کا قول''وفی الرقاب'' اللہ تعالی کے قول''وفی سبیل اللہ'' کی طرح ''وفی سبیل اللہ'' میں مجاھدین کو دینا واجب ہے ،اسی طرح یہاں ''رقاب'' کو دینا واجب ہوگا،اور''رقاب'' کو دینا ہمارے ہی مذھب کے اعتبار سے ہوگا، جولوگ کہتے ہیں کہ اس حصہ سے غلام خرید لئے جائیں تو غلاموں کو دینا نہیں ہوا ہے، بلکہ ان کے مالکوں کو دینا ہوا، نیز تمام اصناف میں ضروری ہے کہ حصہ مستحق کے حوالہ کردیا جائے اوراسے مالک بنادیا جائے ،لہذا یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہیے، کیونکہ شریعت نے رقاب کے لئے ایسی قید نہیں لگائی ہے جو دوسرے مصارف سے مختلف ہو (المجموع ۶/ ۱۴۶، نیز اس سے ملتی جلتی بات امام قرطبی نے لکھی ہے، دیکھئے:تفسیر قرطبی ۸/ ۱۶۷)۔

ماحصل:

''المہذب'' کے مصنف شیخ ابو اسحٰق شیرازی اورامام نووی اورامام قرطبی کی محققانہ عبارات سے یہ واضح ہوا کہ فقہائے شافعیہ نے''للفقراء''وغیرہ کے لام کولام تملیک قرار دیا ہے، اس لئے ان کے نزدیک بھی فقراء کو مال زکوۃ کا مالک بنانا انتہائی ضروری ہے،صرف یہ بات کافی نہیں کہ زکوۃ دھندگان اپنے طور پر زکوۃ کو مستحقین زکوۃ کے مفاد میں خرچ کریں اوران کے قبضہ میں مال زکوۃ کو نہ دیں۔

فقہائے حنابلہ:

مشہور حنبلی فقیہ شمس الدین مقدسی (۷۶۳ھ) لکھتے ہیں:

''زکوۃ نکالنے میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ جسے زکوۃ دی جائے اسے مالک بنادیا جائے، لہذا یہ جائز نہیں کہ زکوۃ سے فقراء ومساکین کو صبح وشام کھانا کھلا دیا جائے ،میت کے اس قرض کی ادائیگی نہیں کی جائے گی جو قرض اپنی یا دوسرے کی مصلحت کے لئے لیا ہو،اس بات کو ابوعبید

ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے، کیونکہ میت صدقہ قبول کرنے کا اہل نہیں رہا، اسی طرح مال زکوۃ سے میت کی تکفین جائز نہیں'' (کتاب الفروع ۲/ ۶۱۹)۔

علامہ بہوتی (۱۰۴۶) لکھتے ہیں:

''زکوۃ پر فقیر کی ملکیت کے لئے اور صاحب مال کی زکوۃ ادا ہونے کے لئے اس پر فقیر کا قبضہ کرنا شرط ہے، لہذا مال زکوۃ سے فقراء کو صبح وشام کھانا کھلانا کافی نہیں، کیونکہ یہ ''ایتاء'' یعنی دینا نہیں ہے، اور نہ ہی زکوۃ سے کسی میت کا دین ادا کیا جائے گا، خواہ میت نے اپنی یا دوسروں کی مصلحت کے لئے وہ قرض لیا ہو، یہ بات ابوعبید ابن عبدالبر نے بصورت اجماع نقل کی ہے۔ کیونکہ میت میں زکوۃ قبول کرنے کی اہلیت نہیں، جس طرح اگر صاحب مال زکوۃ سے میت کی تکفین کرے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ فقراء ودیگر مستحقین زکوۃ کا مال زکوۃ میں قبضہ کرنے سے پہلے تصرف صحیح نہیں، کیونکہ مستحقین زکوۃ قبضہ کرنے کے بعد ہی مال زکوۃ کے مالک بنتے ہیں'' (کشاف القناع ۲/ ۱۶۸-۱۶۹)۔

حاصل کلام:

فقہ حنبلی کے دو مشہور محقق ائمہ کی تحقیق سے چند باتیں واضح ہوئیں:

(۱) زکوۃ پر فقیر کی ملکیت جبھی مکمل ہوگی جب زکوۃ دہندہ اس مال سے کلیتہً علیحدہ ہو جائے۔

(۲) مال زکوۃ سے ایسا کام کرنا جس سے ضرورتمند کو صرف منفعت ہو اور مال زکوۃ سے خریدی ہوئی چیز اس کی ملکیت میں نہ آئے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

(۳) امام ابوعبید ابن عبدالبر رحمتھا اللہ نے فرمایا کہ تملیک فقیر کے بابت اجماع ہے، اب یہ اجماع دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا، یا تو فقہائے حنابلہ کا اجماع ہوگا، اگر فقہائے حنابلہ کا اجماع ہے تو اس صورت میں بھی منفعت زکوۃ کی صورت مستحقین زکوۃ کے لئے اختیار کرنے کی فقہ حنبلی میں گنجائش نہیں، اور اگر یہ جمہور فقہاء کا اجماع ہے تو منفعت زکوۃ کی صورت اختیار کرنا بدرجہ اولی جائز نہیں۔

فقہائے مالکیہ:

احمد بن محمد بن منصور اسکندریؒ (۶۸۳ھ) آخری چار مصارف زکوۃ پر لام کے بجائے ''فی'' داخل کرنے کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پھر یہاں ایک اور راز ہے جو زیادہ قوی اور قابل قبول ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے چار اصناف اس مال کے مالک بن جاتے ہیں جو انھیں دیا جاتا ہے، یہ لوگ مالکانہ طور پر اس مال کو لیتے ہیں اور آخر کے چار اصناف دیئے ہوئے مال کے پورے طور پر مالک نہیں ہوتے، بلکہ مال ان پر صرف کئے جانے کے بجائے ان سے وابستہ چند مصالح میں صرف کیا جاتا ہے''

(الانتصاف من الکشاف ۳/۱۵۸،۱۵۹)۔

علامہ شوکانی اپنی مشہور تصنیف ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں:

" إنما من صيغ القصرو تعريف الصدقات للجنس أى جنس هذه الصدقات مقصور على هذه الأصناف المذكورة لا تجاوز ها، بل هى لهم لا لغيرهم" (فتح القدیر للشوکانی ۲/۱/۳۷۲)۔

(کلمہ انما حصر کے صیغوں میں سے ہے اور لفظ ''الصدقات'' کا معرف بلام لانا جنس کے لئے، یعنی ان تمام صدقات واجبہ کی پوری جنس مقصود ومحصور ہے کہ یہ زکوۃ واجبہ صرف ان مذکورین کے لئے ہیں ان کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں)۔

علامہ شوکانی دو جملوں میں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ لام یہ لام، تملیک ہے تو ان مذکورین کو مالک بنادینا لازم ہوگا، یہ مالک ہوکر پھر جہاں چاہیں اور جس مصرف میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی ''التفسیر المنیر'' میں جمہور وفقہا کے نکتہ نظر کی ترجمانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مال زکوہ کو مساجد اور پلوں اور سبیلوں کی تعمیر میں اور

راستے کی مرمت میں اور مردوں کی تکفین میں اور ان کے قرضوں کی ادائیگی اور اسلحوں کی خریداری اور دوسرے اس طرح کے نیک کام میں جن کا اللہ نے ذکر نہیں فرمایا، جن میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، خرچ کرنا جائز نہیں'' (التفسیر المنیر ۱۰ر ۲۷۴)۔

خلاصہ:

معروضات بالا سے یہ بات روشن ہوگئی کہ ارشادات ربانی زکوۃ کے ساتھ جو فعل ''ایتاء'' استعمال ہوا ہے اس میں مالک بنانے کا مفہوم بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، کیونکہ مال زکوۃ مالیات میں سے ہے جو ملکیت کے قابل بننے کی چیز ہے اور زکوۃ دینے کا مطلب عرفاً یہی ہوتا ہے کہ انسان مال زکوۃ سے اپنی ملکیت اور قبضہ ختم کر کے ضرورتمندوں کی ملکیت میں دے دے، اب اگر یوں کہا جائے کہ وہ مال فقیر یا مستحق زکوۃ کی ملکیت میں جانا ضروری نہیں، بلکہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مال خدائی ملکیت میں رہے اور مستحق زکوۃ کو صرف منفعت حاصل ہو تو وقف اور زکوۃ میں کیا فرق رہ جائیگا، اور دونوں کے مابین یہی شئی مابہ الامتیاز ہے اور احکام زکوۃ کی یہی شان ہے کہ وہ اصحاب ثروت سے ان کے مال پر سے ایک ایک جزو کی ملکیت ان سے ختم کر کے ضرورت مندں کی تملیک میں دے دینا ہے اور فقراء اور مساکین جس طرح چاھیں جہاں چاہیں صرف کریں اور وقف کے احکام کی خصوصیت یہ ہے کہ اصحاب ثروت کی ملکیت سے وہ مال نکل تو جاتا ہے، مگر جن اشخاص سے یا جن اداروں پر مال وقف کیا جاتا ہے ان کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ صرف اور صرف منفعت وقف حاصل ہوتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا انھیں حق ہوتا ہے۔

۱- اموال زکوۃ کا استثمار:

(الف) اللہ رب العزت نے زکوۃ کے مستحق کو خود صریح منصوص فرمایا ہے۔

صیغہ ''إنماالصدقات للفقراء'' کا مفہوم یہی ہے کہ ''الصدقات للفقراء والمساکین'' کا ''لام تملیک'' کا ہے، یعنی ادائیگی زکوۃ وصدقات صحیح نہیں ہوگی، مگر انھیں مزکورین میں ایک کو مالک بنانے سے، کسی اور کے دینے سے ادا نہیں ہوگی، اگر لام استحقاق کے

لئے لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ زکوۃ وصدقات واجبہ کے مستحق صرف اور صرف یہی مذکورین ہیں، ان کے علاوہ کوئی دوسرا مستحق، یا کسی اور کو دے دینا، یا کسی اور جگہ خرچ کرنا، مثلاً کارخانے وغیرہ بنانا یہ تمام شکلیں مال زکوۃ کو غیر مستحق پر خرچ کرنے کے موافق ہونگی جو فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہے۔ اور زکوۃ دہندہ ذمہ سے بری نہ ہوگا اور اگر لام کو استیفاء کے لئے لیا جائے جب بھی یہی مفہوم ہوگا کہ زکوۃ وصدقات واجبہ صرف انھیں کو مذکورین کی نفع رسانی کے لئے ہے اور اگر نفع رسانی کے بجائے اور کسی کی نفع رسانی ہو جائے مثلاً نہریں کھدانا، پلوں کی تعمیر کرنا وغیرہ تو یہ شکل بھی جائز نہ ہوگی، بلکہ حضرات مفسرین نے لام کو انتفاع کے معنی میں لیتے ہوئے فرمایا کہ انتفاع کامل مراد ہے، اور انتفاع کامل کی شکل یہی ہے کہ آپ مستحقین زکوۃ کو مالک بنادیں اور وہ جہاں چاہے جب چاہے جس طرح چاہے خرچ کرے، اس کی مرضی کا اس میں پورا دخل ہوگا، لہذا یہ صورت بالا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں۔

۲۔ مال زکوۃ سے رہائشی مکانات ودوکانیں تعمیر کرکے فقراء کو رہائش، یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انھیں مکانات ودوکانات کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۳۔ فقراء میں زکوۃ کی رقوم تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے مال زکوۃ سے مکانات ودوکانات وغیرہ کو خرید کرکے ان کی ملکیت میں دیا جائے تو ان تمام شکلوں میں تملیک فقیر کی شرط پائی گئی، لہذا زکوۃ ادا ہو جائے گی، یہ اور بات ہے کہ افضل اور اولی نقد دینا ہے تاکہ مستحق زکوۃ جیسے چاہے صرف کرے۔

جوابات سوالنامہ:

نوٹ: اس عنوان کے تحت اگرچہ کئی سوالات کئے گئے ہیں، مگر حقیقی سوال جن سے دیگر سوالات کے جوابات بھی مل جاتے ہیں، راقم کو بس دو معلوم ہوئے۔ (۱) استثمار درست ہے یا نہیں؟ (۲) زکاۃ کے مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے، یا نہیں؟ اس لئے صرف ان دو مرکزی

سوالوں کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے ان دونوں سوالوں کے جوابات متعین ہیں وہ یہ کہ:

(۱) استثمار، یعنی زکاۃ کے اموال کو مستحق کو دینے کے بجائے اسے مثلاً تجارت میں لگا نا درست نہیں، جیسا کہ بیشتر کتب فقہ میں ملتا ہے، مثلاً فتاوی دارالعلوم دیو بند میں ہے: (زکاۃ کا مال تجارت میں لگانا درست نہیں اس مال زکاۃ کو بعینہ صدقہ کر دیا جائے (ص ۲۰ ناشر مکتبہ امدادیہ دیو بند) یہی حکم فتاوی رحیمیہ میں ملتا ہے (۸ / ۱۲ از مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری)

(۲) مستحق زکاۃ کو (مال زکاۃ کا) مالک بنانا ضروری ہے، مالک بنائے بغیر زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

لہذا معلوم ہوا کہ اگر مال زکاۃ سے مکانات یا دوکان وغیرہ تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دے دی جائیں تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔

☆☆☆

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کی شرط

قاضی محمد کامل قاسمی ☆

مالِ زکوٰۃ سے مستحقین زکوٰۃ کو پورا پورا نفع پہنچانے کے لئے اسلام نے لازم قرار دیا کہ وہ لوگ جن پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کر اسے مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت اور تصرف میں دے دیں، مال زکوٰۃ پر اپنا کوئی تصرف وکنٹرول باقی نہ رکھیں تا کہ وہ لوگ اپنی صواب دید سے وہ مال جس ضرورت کی تکمیل میں چاہیں صرف کریں۔

قرآن کریم سے شرط تملیک کی دلیل:

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے، اس پر ''بدائع الصنائع'' میں قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد:

'' وآتوا الزکوٰۃ ''میں ایتاء زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، ایتاء کے معنیٰ تملیک کے ہیں۔

''وقد أمرا لله تعالیٰ الملاک بإیتاء الزکاۃ لقوله عزو جل '' وآتو الزکوٰۃ'' والا یتاء هوا لتملیک ''(بدائع الصنائع ۲ر۳۹)۔

قرآن کریم میں لفظ ایتاء صدقہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالک بنا دینے ہی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، مثلاً '' وآتو النساء صدقاتهن نحلة''(سورۂ نساء:۴)۔

(عورتوں کے ان کے مہر دیدو)۔ ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی ہوتی ہے جب مہر کی رقم پر عورت کو مالکانہ قبضہ دے دیا جائے۔

☆ قاضی دارالقضاء دہلی، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے: ''خذ من أموالھم صدقة'' (سورۂ توبہ) اور ''إنما الصدقات للفقراء'' الخ (سورۂ توبہ/ ٦٠) صدقہ میں تملیک ہوتی ہے۔

''سمی الله تعالیٰ الزکاۃ صدقة بقوله عزو جل:'' إنما الصدقات للفقراء'' والتصدق تملیک'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۹)۔

حدیث معاذ سے استدلال

اگر ہم حدیث معاذؓ کی روشنی میں دیکھیں تو تملیک کا مسئلہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا: ''إن الله افترض علیھم صدقة تؤخذ من أغنیائھم فترد علی فقرائھم'' (ابوداؤد ۲/ ۲۲۳)۔

(اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو واپس دی جائے گی)۔

اس حدیث میں غور کرنے کی بات ہے کہ صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اغنیاء سے اس کا اخذ (لینا) ہوگا اور فقراء پر اس کا رد (واپس کرنا، دینا) ہوگا 'اخذ' اور 'رد' دونوں مقابل لفظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی چیز کا رد ہوگا، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوٰۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہٰذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں ہوگا، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے گا، یہی تملیک فقیر ہے (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۱/ ۴۱، ۴۲۔ از مولانا عتیق احمد قاسمی)۔

یہ نکتہ تو بدیہی اور اجماعی ہے کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد مال زکوٰۃ سے زکوٰۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ وہ مال کسی فقیر مستحق زکوٰۃ کی ملکیت میں جانا ضروری نہیں، بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مال خدا کی ملکیت میں رہے اور مستحقین زکوٰۃ کو اس سے فائدہ پہنچایا جائے تو وقف اور زکوٰۃ میں کیا فرق رہ جائے گا؟ دونوں کے درمیان مابہ الامتیاز یہی تو ہے کہ مال وقف ان لوگوں کی ملکیت میں نہیں جاتا جن پر وقف کیا گیا ہے اور مالِ

زکوٰۃ مستحق زکوٰۃ کی ملکیت بن جاتا ہے(زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۴۱)۔

بہر حال زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا ضروری ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آخری صدیوں تک زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم کا یہی طریقہ رائج تھا کہ زکوٰۃ فقراء ومساکین اور دوسرے مستحقین کو بطور ملکیت دے دی جاتی تھی تاریخ اسلام میں ایک بھی نظیر ایسی نہیں ملتی کہ زکوٰۃ فقراء میں تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایسے رفاہی اور فلاحی اسکیم میں لگائی گئی ہو جس کا نفع فقراء کو پہنچتا ہو اور ملکیت ان کی طرف منتقل نہ ہوتی ہو، حالانکہ اس زمانہ میں رفاہی اور فلاحی کام کثرت سے ہوا کرتے تھے(زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۴۲،۴۳)۔

مستحق زکوٰۃ کو دیے گئے مال زکوٰۃ کا حکم:

مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال زکوٰۃ دینا مندوب ہے جس سے اس کی اپنی اور اس کے اہل و عیال کی ایک دن کی ضروریات پوری ہو جائیں اور اس دن کے لئے اسے مانگنے کی ضرورت نہ رہے، ایک دن کی ضروریات سے مراد صرف کھانے کی ضروریات نہیں ہیں بلکہ اس دن خود اسے اور اس کے اہل وعیال کی جو بھی ضروریات ہوں سب مراد ہیں، جیسے تیل، صابن کپڑا اور مکان کا کرایہ وغیرہ، درمختار میں ہے:

"یندب دفع ما یغنیه یومه عن السوال واعتبار حاله من حاجةو عیال" (درمختار مع ردالمحتار ۲؍۲۰)۔

مستحق زکوٰۃ اکیلا ہو اور اس کے ذمہ قرض نہ ہو ایسے مستحق کو نصاب کی مقدار یا اس سے زیادہ مال زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، یہ دیا ہوا مال خواہ نامی ہو یا غیر نامی حتی کہ اگر مستحق کو دیے ہوئے مال کی قیمت نصاب کے برابر ہے تو یہ دینا بھی مکروہ ہے اور خواہ دیا ہوا مال نقد ہو یا جانور، لہذا اگر ایسے پانچ اونٹ جن کی قیمت نصاب کے برابر نہیں ہے ان کا مستحق زکوٰۃ کو بعد

زکوٰۃ دینا مکروہ ہے۔

اگر مستحق زکوٰۃ صاحب اولاد ہے اسے نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ دیا اور دیا ہوا مال زکوٰۃ اتنا ہے کہ مستحق اور اس کی عیال پر تقسیم کر دیا جائے تو کوئی بھی صاحب نہ ہوگا تو مکروہ بھی نہیں ہے، یا مستحق زکوٰۃ مقروض ہے اسے نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ دیا اور دیا ہوا مال زکوٰۃ اتنا ہے کہ قرض کی ادائیگی کے بعد مستحق زکوٰۃ صاحب نصاب نہ ہوگا تو اس شکل میں بھی کراہت نہیں ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: (شامی ۲/ ۶۸، بدائع ۲/ ۴۹)۔

''فتاویٰ رحیمیہ'' میں ہے:

سوال:۔ ایک ہی شخص کو اتنی زکوٰۃ دی جائے کہ وہ مالک نصاب بن جائے تو وہ درست ہے؟

الجواب:۔ ایک ہی آدمی کو اس قدر زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحب نصاب بن جائے یہ مکروہ ہے، ہاں مقروض کو اس کے قرض کے برابر یا اس سے بھی زائد رقم دے سکتے ہیں، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، مگر یہ زائد رقم ایک نصاب کے برابر نہ ہو، اسی طرح عیال دار کو اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ اگر اولاد پر تقسیم کی جائے تو ہر ایک بچہ صاحب نصاب نہ بن سکے اتنی رقم دی گئی اور وہ صاحب نصاب بن گیا تو اب دوبارہ دوسری زکوٰۃ کی رقم اس کو نہیں دی جا سکتی (درمختار مع الشامی ۲/ ۶۸، فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۳)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال دینا جس سے اس کی اپنی اور اسکے اہل و عیال کی ایک دن کی تمام ضروریات پوری ہو جائیں مندوب ہے۔

مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال زکوٰۃ دینا جس سے وہ صاحب نصاب نہ ہو بلا کراہت جائز ہے، مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال زکوٰۃ دینا جس سے وہ صاحب نصاب ہو جائے جائز ہے، لیکن مکروہ ہے، البتہ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا معروضات کے بعد سوال نامہ میں درج سوال کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

۱-(الف) زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر انکے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے گا شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک، یعنی مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دینا شرط ہے، بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اس صورت میں مال زکوٰۃ کی تملیک نہیں ہوتی۔

(ب) اموال زکوٰۃ کے استثمار کے ناجائز ہونے کی دلیل قرآن وحدیث سے اوپر پیش کر دی گئی ہے۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا) ضروری ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک سرے سے پائی ہی نہیں گئی۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں ان مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳- مکان یا دوکان کی قیمت نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہی ہوتی ہے، لہذا ایسا مستحق زکوٰۃ جو نہ مقروض ہے اور نہ صاحب اولاد ہے، اسے مکان یا دوکان زکوٰۃ کے مال سے تعمیر کرا کر دینا مکروہ ہے، البتہ اگر کسی نے ایسے مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے مال سے مکان یا دوکان تعمیر کرا کر دے دی تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائی گی۔

اگر مستحق زکوٰۃ اتنا مقروض ہے کہ مکان یا دوکان کی قیمت میں سے قرض منہا کرنے کے بعد قیمت کی صرف اتنی رقم باقی بچتی ہے کہ اس سے مستحق زکوٰۃ صاحب نصاب نہیں ہوگا تو زکوٰۃ کے مد سے تعمیر شدہ مکان یا دوکان ایسے مستحق زکوٰۃ کو دینا بلا کراہت جائز ہے۔

یا مستحق زکوۃ ایسا صاحب عیال ہے کہ مکان یا دوکان کی قیمت سب برابر تقسیم کردیجائے تو ان میں کوئی صاحب نصاب نہ ہوگا تو زکوۃ کے مد سے تعمیر شدہ مکان یا دوکان کا ایسے مستحق زکوۃ کو دینا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

☆☆☆

تملیک زکوۃ کی بعض صورتیں

مولانا محمد نور القاسمی☆

ادائیگی زکوۃ کے صحیح ہونے کے لئے تملیک:

جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ زکوۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ "مصارف" میں سے کسی مستحق کو مال زکوۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، مالکانہ قبضہ دیئے بغیر اگر کوئی مال انہیں لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ قرآن کریم میں عموماً زکوۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ "ایتاء" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مثلاً:

"اقاموا الصلاۃ و آتوا الزکوۃ لھم أجرھم عند ربھم" (سورۂ بقرہ: ۲۷۷)۔

(اور بالخصوص نماز کی پابندی کی اور زکوۃ دی ان کے لئے ان کا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے نزدیک)۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی جگہوں میں زکوۃ کا مال صرف نہیں کیا جا سکتا جہاں تملیک ممکن نہ ہو۔ علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

"ان مصارف کے علاوہ میں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے زکوۃ کا مال صرف کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً مساجد، پل، حوض وسبیل کی تعمیر میں اور سڑکوں کی اصلاح کے لئے پشتہ وباندھ باندھنے کے لئے، مردہ کے کفن اور مہمانوں کو کھانا کھلانے میں، ابوداؤد کہتے ہیں کہ امام احمدؒ سے میں نے سنا ان سے سوال کیا گیا کہ زکوۃ کی رقم سے مردے کو کفن دیا جا سکتا ہے؟ تو انہوں نے

☆ استاذ جامعہ ہدایہ، جے پور، راجستھان۔

فرمایا: نہیں، اور نہ ہی میت کے دین کی ادائیگی میں زکوٰۃ کا مال صرف کیا جا سکتا ہے، میت کے دین میں اس کو اس لئے صرف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مقروض درحقیقت میت ہے جس کو دینا ممکن نہیں'' (المغنی لابن قدامہ ۲ /۲۸-۵۲۷، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب الاموال ۲۴۲، المدونہ ۲۵۸/ ۱۳، المحلی لابن حزم ۵/ ۲۶۳، روضۃ الطالبین ۲/ ۳۲۰، فقہ السنہ ۱/ ۳۵۹)۔

زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار:

مذکورہ بالا تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کا استثمار، یعنی اس مال سے کارخانے، فیکٹریاں اور دوکان وغیرہ قائم کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایسی صورت میں فقراء و مساکین وغیرہ کی طرف سے قبضہ اور تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، جبکہ ادائیگی زکوٰۃ کی صحت کے لئے تملیک اور قبضہ شرط اور ضروری ہے، نیز بعض فقہاء جن میں امام کرخی (م: ۳۴۰ھ)، امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہیں نے فی الفور ادائیگی زکوٰۃ کی شرط لگائی ہے، جو استثمار کی صورت میں بہر حال نہیں پایا جاتا۔ (واضح رہے کہ عام حنفیہ کے نزدیک بغیر کسی عذر کے ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر کرنا مکروہ ہے) دور حاضر کے ایک عالم شیخ عبداللہ ناصح علوان نقل کرتے ہیں:

''یہ بات پہلے ہم نے ذکر کر دی ہے کہ زکوٰۃ فی الفور واجب ہے، نیز قرآن کریم کے مقرر کردہ مصارف میں ہی زکوٰۃ کو صرف کرنیکا تقاضہ بھی یہی ہے کہ فی الفور اس کی ادائیگی کی جائے، جبکہ سماج میں مستحقین موجود ہوں اور ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، حنفیہ میں سے امام کرخی اور جمہور فقہا کا مذہب ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے تعجیل کے سلسلہ میں شافعیہ میں سے ''صاحب مہذب'' فرماتے ہیں کہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے لئے ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ودیعت کا مسئلہ ہے، جبکہ صاحب ودیعت اس کا مطالبہ کرے، قدرت کے باوجود اگر وہ شخص تاخیر کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے ادائیگی کے ممکن ہونے کے باوجود اس چیز میں تاخیر کی جو اس پر واجب ہے، لہذا ودیعت کی طرح وہ ضامن ہوگا، مالکیہ نے تو صراحت کر دی ہے کہ فی الفور زکاۃ کا نکالنا واجب و ضروری ہے،

بہر حال صاحب مال کا اس رقم کو اپنے پاس رکھ لینا اور سال بھر تک جب جب مستحق آئے اس میں سے اس کو دیتے رہنا جائز نہیں ، جمہور کی رائے اور ائمہ ثقات کے ذکر کردہ بیانات کی بناء پر زکوٰۃ کی رقوم کو تجارتی مراکز واداروں میں استثمار کے لئے لگانا جائز نہیں، جبکہ سماج میں مستحقین اور محتاج حضرات موجود ہوں، اس لئے کہ اس صورت میں ایک طرف مستحقین تک مال پہنچنے میں تاخیر ہوگی تو دوسری طرف گھاٹے اور خسارے کی صورت میں رقم کا ہلاک اور ضائع ہونا لازم آئے گا'' (دیکھیے: احکام الزکوۃ علی ضوء مذاہب/۹۶-۹۷)۔

اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کا مندرجہ ذیل جزئیہ بھی ہمارے زیر بحث مسئلہ میں چشم کشا ثابت ہوگا جس میں زکوٰۃ کی رقوم کے استثمار کے عدم جواز پر روشنی پڑتی ہے۔

''امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے زکوٰۃ کی رقم میں سے پانچ دارہم کسی کو دیئے اس نے رقم پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی دینے والے سے کہا کہ اس سے میرے لئے کپڑے یا غلہ خرید لو اور خریدنے سے پہلے ہی وہ دراہم ضائع ہوگئے یا مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد وہ چیز ہلاک ہوگئی تو زکوٰۃ دینے والے پر ضروری ہے کہ اس زکوٰۃ کی جگہ دوسری چیز یا رقم ادا کرے، اس لئے کہ لینے والے کا قبضہ اس پر نہ ہوسکا تھا، ہاں اگر قبضہ کرکے وہ دینے والے کو واپس لوٹاتے ہوئے کہے کہ اس سے میرے لئے خرید کرلو اور بغیر اس کے افراط وتفریط کے وہ دراہم ضائع ہوگئے یا خرید کردہ شئی ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا، امام احمد نے یہ اس لئے فرمایا کیونکہ فقیر بغیر قبضہ کے زکوٰۃ کا مالک نہیں ہوتا، اب جب اس نے خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو یہ توکیل درست نہ ہوئی اور وہ صاحب مال کی ہی ملکیت میں باقی رہا اور جب ہلاک ہوگیا تو خود اس کا ہلاک ہوا'' (الشرح الکبیر مع المغنی ۲/۷۰۲)۔

غور کیجئے کہ فقراء کی طرف سے قبضہ کرنے سے پہلے خود فقراء کی طرف سے اجازت ملنے کے باوجود استثمار کی گنجائش نہ نکل سکی تو بغیر فقراء کی ملکیت میں داخل ہوئے اور بغیر اس کے قبضہ کئے ہوئے افراد یا جماعتوں اور اداروں وتنظیموں کا مال زکوٰۃ میں استثمار کی کوشش کرنا کیوں کر درست ہوگا؟

جواز کی صورت:

اگر مصارف زکوٰۃ میں سے کسی بھی مصرف کا وجود نہ ہو اور اموالِ زکوٰۃ کی بہت زیادہ کثرت ہوگئی ہو تو اس مال کو ہلاکت وضیاع سے بچانے کے لئے استثمار کی گنجائش ہوگی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر کاروبار میں گھاٹا اور نقصان ہو جائے تو استثمار کی کوشش کرنے والے اس کے ضامن ہوں گے۔

عبداللہ ناصح علوان کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

جی ہاں ایسی حالت میں جبکہ زکوٰۃ کی رقوم کی کثرت ہو اور خزانہ بھر چکا ہو اور سارا اسلامی سماج ایسا خود کفیل ہو کہ سماج اور ماحول میں فقراء و مستحقین نہ ہوں اور زکوٰۃ کے مال کو صرف کرنے کے لئے کسی مصرف کے وجود کا علم نہ ہو تو ایسی صورت میں فقراء کے مصالح کی خاطر ان رقوم کو استثماری مراکز میں لگانا جائز ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ اگر خسارہ ونقصان ہو جائے تو کمپنی اور مراکز اس خسارہ کے ضامن ہوں گے تاکہ مستقبل میں فقراء کا حق ضائع نہ ہونے پائے (احکام الزکوۃ علی ضوء المذاہب ۹۸)۔

بلا تملیک رہائشی مکانات فقراء کو دینا:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو محض رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات ودوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک، یعنی مستحقین کو بلاعوض مالک بنادینا شرط ہے (جیسا کہ مندرجہ بالا سطور سے معلوم ہوا) مشہور مفسر محمد بن احمد القرطبی (م:۶۷۱ھ) نقل فرماتے ہیں:

”ولا یدفع عند أبی حنیفة سکنی دار بدل الزکوٰة مثل أن یجب علیه خمسة دارهم فأسکن فیها فقیراً شهراً فإنه لا یجوز قال :لان السکنیٰ لیس بمال“ (الجامع لأحکام القران للقرطبی ۸/۱۱۱)۔

(امام ابوحنیفہ کے مذھب کے مطابق زکوٰۃ کے بدلہ میں گھر کو رہائش کے طور پر دینا صحیح نہیں ہے، مثلاً کسی شخص کے ذمہ پانچ دراہم واجب ہیں اور وہ گھر میں کسی فقیر کو ایک مہینہ ٹھہرا دے تو یہ جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ محض رہائش مال نہیں ہے)۔

نیز علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

" فلو أسكن فقيراً داره سنة ناوياً للزكوة لا يجزيه" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۲ر۳)۔

(اگر کسی فقیر کو اپنے گھر میں ایک سال زکوٰۃ کی نیت سے ٹھہرا دیا تو یہ کافی نہ ہوگا)۔

مکانات بنا کر مستحقین کے حوالہ کرنا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دیدینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، تاہم دیکھا جائے گا کہ اگر اس فقیر کے پاس پہلے سے رہائش کے لئے مکان نہیں ہے تو ادائیگی بلا کراہت جائز ہوگی، اس لئے کہ ایسی صورت میں فقیر کو مالدار یا صاحب نصاب نہیں بنایا گیا ہے، بلکہ محض ضرورۃً مکان فراہم کیا گیا ہے اور اگر اس فقیر کے پاس پہلے سے گھر موجود ہے، چاہے جس قسم (Quality) کا ہو اور پھر اس کو زکوٰۃ کے مال سے مکان تعمیر کر کے دیا گیا ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کراہت کے ساتھ درست ہوگی، اس لئے کہ ایسی صورت میں نصاب سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا لازم آئے گا جس کو فقہاء مکروہ قرار دیتے ہیں۔

"فإن دفع لو أحد نصاباً كاملا فأكثر أجزاه مع الكراهة "(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱ر۶۲۱)۔

(اگر کسی شخص نے کسی فقیر کو نصاب کے برابر، اس سے زیادہ دے دیا تو کراہت کے ساتھ درست ہو جائے گا)۔

☆☆☆

نظام زکوٰۃ اور اس کے مقاصد

مولانا محمد ابرار خان ندوی ☆

زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک:

فقہاء کرام کی بیان کردہ زکوٰۃ کی تعریف سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ مستحقین کو مالکانہ حیثیت سے مال سپرد کر دیا جائے، اس طور پر کہ وہ اس میں تصرف کرنے کے کلی طور پر مختار و مجاز ہوں، بصورتِ دیگر اہل ثروت کی زکوٰۃ درست ادا نہ ہوگی، فقہ حنفی کی مستند کتاب ''فتاویٰ ہندیہ'' میں عبارت مذکور ہے:

''إذا دفع الزكاة إلى الفقير لايتم مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولا ية عليه نحو الأب والوصي يقبضان للصبي والمجنون كما في الخلاصة'' (الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۱۹۰)۔

(فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہ ہوگی جب تک کہ اس پر وہ قبضہ نہ کر لے، یا اس کی جانب سے ایسا شخص قبضہ کرلے جس کو فقیر پر ولایت حاصل ہے، جسے باپ اور وصی یہ دونوں مجنون اور بچے کی جانب سے قبضہ کریں گے)۔

علامہ داماد آفندی (م ۱۰۷۸) رقمطراز ہیں:

''ولا تدفع الزكاة لبناء مسجد، لأن التمليك شرط فيه ولم يوجد ....وكل مالا تمليك فيه'' (مجمع الأنہر ۱/ ۲۲۲)۔

☆ استاذ جامعۃ الہدایہ جے پور، راجستھان۔

اس میں تملیک شرط ہے اور وہ یہاں مفقود ہے اور ہر وہ چیز جس میں تملیک نہیں ہو سکتی اس میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔

نیز شیخ وہبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں:

''رکن الإخراج هو التمليک لقوله تعالیٰ وآتو احقه يوم حصاده والايتاء هو التمليک لقوله تعالى وآتو الزكاة فلاتتأدى بطعام الاباحة وبما ليس بتمليک'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۸۴۷)۔

(زکوٰۃ نکالنے کا بنیادی رکن، تملیک ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وآتو احقه يوم حصاده'' اور ''ايتاء'' بمعنی تملیک کے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وآتو الزكاة'' مباح طریقہ (حق انتفاع) پر کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس صورت میں بھی جس میں تملیک نہیں ہے۔

علامہ کاسانی (م۔۵۸۷) نے مسئلہ تملیک پر بڑی عمدہ اور سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول ''وآتو الزكاة'' میں مالک نصاب کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور یہاں ایتاء بمعنی تملیک ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ''إنما الصدقات للفقراء'' میں زکوٰۃ کو صدقہ کہا ہے اور تصدق تملیک کو کہتے ہیں، لہذا مالک مال زکوٰۃ کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے واسطے اسی تملیک کے طور پر نکالے گا، جس طرح پہلے اللہ کی طرف سے اس پر تملیک تھی، اس لئے کہ زکوٰۃ ہماری شریعت میں ایک عبادت ہے اور عبادت مکمل طور پر عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنے کا نام ہے اور یہ اسی صورت میں ہوگا جیسا کہ ہم نے کہا کہ مقدار زکوٰۃ کے برابر مال فقیر کو پوری طرح سے سپرد کرنے سے اس کی ملکیت سے نکل جائے گا (بدائع الصنائع ۲/ ۳۹)۔

اموالِ زکوٰۃ کا استثمار:

مذکورہ بالا تفصیلی وضاحت سے اس بات کا حکم معلوم ہو گیا کہ بعض دینی، فکری، سیاسی

اداروں، تحریکات اور تنظیموں کی جانب سے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم سے مستحقین زکوٰۃ کی اقتصادی حالت سدھارنے کے لئے فیکٹریوں اور صنعتی اداروں کا قیام اور ان میں انہیں مستحقین زکوٰۃ کو ملازمت دینا، یہ عمل چند وجوہ سے ناجائز ہے:

پہلی وجہ: اس کے درست نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے زکوٰۃ کی ادائیگی اور صحت کے لئے یہ شرط عائد کی ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک اداء نہ ہوگی جب تک مستحقین کی ملکیت اس میں ثابت نہ ہوجائے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔"**وقال أبو حنيفة: ....لا يزول ملكه عن شئ من المال إلا بالدفع إليه وهو إحدى الروايتين عن أحمد**" (رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ر ۹۴)۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت، رکن اسلام، فریضہ دین، غرباء ومساکین کا حق، معذور و بے سہارا افراد کی اعانت کا ذریعہ ہے، ان کا یہ حق ان تک پہنچانا ضروری ہے، ورنہ زکوٰۃ اداء نہ سمجھی جائے گی اور یہاں یہ خطرہ موجود ہے کہ" زکوٰۃ فنڈ" سے فیکٹری و صنعتی ادارہ کے قیام، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے، رجسٹریشن اور دیگر قانون وعدالتی کارروائیوں کی تکمیل میں رشوت کے طور پر خطیر اور معتد بہ رقم صرف ہوگی اور یہ سب زکوٰۃ کے مال سے ہوگا، تو یہ کہاں درست ہے "**تو خذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم**" کے مصرف اور مسلمان اصحاب ثروت کی گاڑھی کمائی معذورین اور معاشرہ کے کم نصیب اقتصادی طور پر کمزور افراد کو دینے کے بجائے بے دین، ظالم ستمگر، اسلام دشمن، بے ضمیر متعصب حکام وامراء کی عیش ومستی اور تزک واحتشام میں صرف ہو۔

تیسری وجہ: یہاں یہ شکل پیش آئیگی کہ ہمیشہ فیکٹری کے ملازمین کو بدلنا ہوگا اس طور پر کہ زکوٰۃ کا مقصد صرف وقتی وعارضی فقر وفاقہ کا سد باب نہیں، بلکہ فقراء ومساکین کی ایسی امداد ہے کہ وہ مادی طور پر سماج کے دیگر افراد کے شانہ بشانہ کھڑے ہوسکیں اور حتی الوسع ان کی اتنی اعانت ہو کہ وہ صاحب نصاب تو نہ ہوں، مگر ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے پھر مستقبل میں دست سوال دراز کرنے سے محفوظ رہ سکیں۔

اب مقاصد زکوٰۃ کے پیش نظر فیکٹریوں میں جب ان ملازمین کی امداد ہوگی تو وہ استحقاق سے باہر نکل کر اھل غناء میں داخل ہو سکتے ہیں تو پھر ان ملازمین کو ہٹا کر دوسرے مستحق زکوٰۃ کو تلاش کرنا ہوگا، اور بار بار کی اس تبدیلی سے تجارت وصنعت بری طرح متاثر ہوگی کہ اس کو از سر نو تربیت دینا اور دنیا کے اھل تجارت سے رابطہ قائم کرنے میں تعارف اور اپنا اعتماد ثابت کرنے میں وقت درکار ہوگا اور پریشانی بھی ہوگی۔

شیخ سید سابق محمد الشہامی (۱۹۱۵۔۲۰۰۰) تحریر فرماتے ہیں:

''من مقاصد الزكاة كفاية الفقير وسد حاجته فيعطى من الصدقة القدر الذي يخرجه من الفقير إلى الغنى ومن الحاجة على الدوام، وذلک يختلف باختلاف الأحوال والأشخاص ''(فقہ السنہ ۱/۳۳۸)۔

(زکوٰۃ کا مقصد فقیر کی کفایت اور اس کی حاجت برآری ومحتاجی کا خاتمہ ہے تو اس کو اتنی زکوٰۃ دیجائے گی جو اسے فقر سے نکال کر بے نیاز کردے، اور ہمیشہ کے لئے اس کی ضرورت پوری کردے اور یہ حالات وافراد کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے)۔

استثماء کے قائلین:

لیکن بیسویں صدی کے مستند وثقہ علماء حق میں اصحاب علم وتحقق کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو زکوٰۃ کو مستحقین کی ملکیت ذاتی میں دینے کے بجائے غرباء واہل ضرورت کی اجتماعی اقتصادی بہبود اور معاشی ترقی میں استعمال کی پوری قوت دلائل کیساتھ حمایت اور وکالت کرتی ہے، البتہ بعض نے کچھ شروط وقیود عائد کی ہیں اور ان افراد کا استدلال قرآن کی اسی آیت قرآنی ''إنما الصدقات للفقراء ''الخ سے ہے، جس سے فقہاء کرام نے استدلال کیا ہے، فقہاء ''ل'' کو تملیک کا مانتے ہیں اور یہ حضرات ''ل'' کو انتفاع اور دوسرے معنی میں لیتے ہیں، اب ذیل میں ان علماء علم وتحقیق کی آراء نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''سیرت النبی'' جلد پنجم کے حاشیہ

میں تحریر فرماتے ہیں:

''اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک، یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے مگر ان کا استدلال جو''للفقراء'' کے''لام'' تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے، ہوسکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے ''خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً'' (سورۂ بقرہ:۲۹) (سیرۃ النبی ۵/۱۷۶)۔

معروف مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبر قرآن میں لکھتے ہیں:

ہمارے فقہاء کا ایک گروہ ''انما الصدقات للفقراء'' کے ''ل'' کو تملیک ذاتی کے مفہوم کے لئے خاص کرتا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ صدقات وزکوٰۃ کی رقوم فقراء ومساکین کی کسی ایسی اجتماعی بہبود پر صرف نہیں ہوسکتیں جس سے ملکیت ذاتی تو کسی کی بھی قائم نہ ہو، لیکن اس کا فائدہ بحیثیت مجموعی سب کو پہنچے، ہمارے نزدیک یہ رائے کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے، اول تو ''ل'' کچھ تملیک ہی کے معنی کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ یہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے اور ان سب معانی کے لئے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے تملیک ذاتی ہی کے معنی کے لئے اس کو خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے آخر نفع رسائی، بہبود اور استحقاق کے معنی کے لئے بھی جب اس کا استعمال معروف ہے تو ان معانی میں یہ کیوں نہ لیا جائے پھر آیت میں آپ نے دیکھا کہ بعض چیزیں فی کے تحت بیان ہوئی ہیں اور فی کا متبادر مفہوم تملیک نہیں بلکہ خدمت، مصرف، رفاہیت، اور بہبود ہی ہے اس سے کہیں زیادہ نفع ان کو بعض حالات میں اس صورت میں پہنچایا جا سکتا ہے جب کہ ان کی اجتماعی بہبود کے لئے بڑے بڑے کام کئے جائیں، پھر تملیک ذاتی کے ساتھ اس کو خاص کر کے اس نفع کو محدود کیوں کیا جائے (تدبر القرآن ۳/ ۵۹۳)۔

علامہ یوسف القرضاوی تحریر فرماتے ہیں:

''زکوٰۃ کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ وقتی امداد کے ذریعہ فقر وفاقہ کے خلاف جہاد کیا جائے، بلکہ تملک کے قاعدے کو وسیع کرنا اور مالکان کی تعداد بڑھانا بھی زکوٰۃ کے مقاصد میں شامل ہے، اجتماعی واقتصادی شعبہ میں اسلام کا بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ خیر ومنفعت کی چیزوں

میں جنہیں خالق زمین نے ودیعت کیا ہے سب لوگ شریک ہوں۔

قبل اس کے کہ ہم مانگنے کے خلاف لوگوں کو نصیحت کریں ہمیں چاہئے کہ سب سے پہلے ان کے مسائل حل کریں اور بے روزگاروں کو روزگار مہیا کریں، اس سلسلہ میں زکوۃ جو کردار اداء کر سکتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے، جو شخص بے روزگار ہو، لیکن کوئی پیشہ اختیار کر سکتا ہو اس کی مدد ضروری سامان یا سرمایہ سے کی جاسکتی ہے یا اسے متعلقہ کام کی تربیت دی جاسکتی ہے، اس طرح اجتماعی طور پر ایسے منصوبے اور اسکیمیں بنائی جاسکتی ہیں جن کے ذریعہ بے روزگاروں کو کام مہیا ہو سکے اور وہ کلی یا جزوی طور پر ان کی مشترک ملکیت ہو، مثلاً کارخانوں وغیرہ کا قیام'' (فقہ الزکوۃ/۵۵۶)۔

شیخ عبداللہ ناصح علوان نے اسے اصلاً تو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ چند شرائط کے ساتھ جواز کی ایک شکل تحریر فرمائی ہے:

'' جمہور علماء کی رائے اور ائمہ معتمدین کی بیان کردہ تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب معاشرہ میں ضرورت منداور مستحق افراد موجود ہوں تو مال زکوۃ کا تجارتی ترقی وفروغ کی اسکیموں میں لگانا درست نہیں ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ استثمار (مال کے فروغ) کے سبب زکوۃ مستحقین تک تاخیر سے پہنچے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مال زکوۃ خسارہ ہو جانے کی صورت میں ختم بھی ہوسکتا ہے۔

ہاں اگر زکوۃ کا مال خوب زائد ہو اور اسلامی معاشرہ خود کفیل و بے نیاز ہو اور امت مسلمہ میں فقراء و مستحقین زکوۃ نظر نہ آئیں اور کسی دوسرے مصرف زکوۃ میں بھی اسے خرچ نہ کیا جا سکے تو ایسی صورت میں فقراء کے مصالح کے پیش نظر اور ان کے مفاد کی خاطر ان مالوں کو تجارتی فروغ کی اسکیموں میں لگانا اس شرط کیساتھ جائز ہوگا کہ اگر مال میں خسارہ ہوا تو اس کا خسارہ مال کو فروغ دینے والی اسکیم پر ہوگا تا کہ مستقبل میں فقراء کا حق ضائع نہ ہو'' (احکام الزکوۃ علی ضوء المذاہب الاربعہ/۹۷-۹۸)۔

موجودہ صورت حال کے مقابلہ کی تدبیر:

راقم کا رجحان عدم جواز کا ہے، البتہ یہ صورت حال جو نہایت سنگین و خطرناک ہے اور صاحب ایمان کی غیرت ایمانی کو بھڑکا دینے والی ہے اور مومن کامل کی حمیت اور اسلامی جوش میں زلزلہ طاری کر دے، کہ افسوس صد افسوس! وہ امت جو غلبۂ اسلام، اور نظام مصطفیٰ اور قانون الٰہی کے نفاذ کے لئے برپا کی گئی تھی دعوت حق جس کا مشن تھا آج اس کی اقتصادی بدحالی، معاشی، پسماندگی، ودین سے دوری اور غربت و جہالت کا فائدہ اٹھا کر عیسائی مشنریاں، قادیانی تحریکیں، یہودی تنظیمیں، غریب و فاقہ زدہ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہی ہیں، فلاحی، رفاہی، تعلیمی اور امدادی کاموں اور اقتصادی اعانت کے ذریعہ ان کے ایمان کا سودا کر رہی ہیں اور عقیدۂ توحید، شعائر اسلام کی عظمت و تقدس کے نقوش ان کے دل و دماغ سے مٹا دینے کے درپہ اور ہمہ تن مصروف ہیں اور بے چارے فقر و فاقہ کا شکار مسلمان ان کے جال میں پھنستے چلے جارہے ہیں، اس لئے کہ غربت و افلاس میں آدمی کے ضمیر کا سودا کرنا آسان ہوا کرتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: "کاد الفقر ان یکون کفراً" (۱) اس خطرناک صورت حال کا مقابلہ بڑی دانشمندی، منصوبہ بند حکمت عملی کے ساتھ کرنا ہوگا۔ اور اس کے لئے دو طریقہ اپنانا ہوں گے۔

۱- دعوت و تبلیغ:

اس بڑھتے ہوئے سیلاب پر بندھ باندھنے کے لئے سب سے کارگر اسلحہ، دعوت و تبلیغ ہے، خلوص نیت کے ساتھ انفرادی، و اجتماعی طور پر حالات کے پیش نظر موجودہ ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلویژن، انٹرنیٹ، اسلامی لٹریچر والے رسائل و جرائد کا استعمال اور انفرادی و اجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ اس پر قابو پایا جاسکتا ہے، اس لئے کہ دعوت کا نشانہ قلب ہوتا اور آدمی جو بات کہتا ہے وہ سامنے والے کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

۲- اقتصادی ترقی:

اس کے مقابلہ کے لئے اقتصادی استحکام بھی نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ باطل

تحریکات مسلمانوں کی غربت ہی کا فائدہ اٹھا کر ان کے ایمان پر حملہ کر رہی ہیں اور مذہب اسلام بھی فی نفسہ مال کو مذموم نہیں قرار دیتا ہے، بلکہ اس کے غلط استعمال پر پابندی عائد کرتا ہے اور ارتکاز کی مذمت کرتا ہے، مال کے ذریعہ اسلام کے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں اور اسلام کے اقتصادی نظام نے امت مسلمہ اور حکومت اسلامی کی ترقی میں بے مثال فائدہ پہنچایا ہے، اس لئے ضرورت آن پڑی ہے کہ منصوبہ بند طریقہ سے اسلام کا نظام اقتصاد پھر سے زندہ کیا جائے اور اسلامی اصول وضوابط کی روشنی میں اقتصادی میدان میں قدم آگے بڑھائیں تا کہ اہل اسلام اور مسلمانوں کے اقتصادی ومعاشی مسائل کا حل ہو سکے اور غربت و افلاس کا شکار مسلمانوں کے عقیدۂ توحید ورسالت کا تحفظ کیا جا سکے اور ان کو اہل اسلام کی دشمن تحریکوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچایا جا سکے، لیکن یہ منصوبہ پورا کیسے ہو کیا زکوٰۃ کے مال سے یا دوسرے ذرائع سے؟

تو یاد رکھئے! زکوٰۃ ایک عبادت ہے اس کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے، لہذا زکوٰۃ فنڈ سے اقتصادی ترقی اور مستحقین زکوٰۃ کی معاشی امداد کے لئے فیکٹریوں اور صنعتی اداروں اور کارخانے قائم نہیں کئے جا سکتے، اس کے لئے دوسرے ذرائع تلاش کرنے ہوں گے، شریعت اسلامی میں یہ ہدایت موجود ہے کہ اچانک مسلمانوں پر کوئی پریشانی آپڑے اور زکوٰۃ سے ان کی ضروریات پوری نہ ہوں تو اصحاب ثروت مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ ان کی مدد کریں اور ان مسلمانوں کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

بلا تملیک مکان یا دوکان تعمیر کر کے دینا:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی صحت اور ادائیگی کے لئے فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ شیخ علاء الدین حصکفی (م۔۱۰۸۸ء) نقل فرماتے ہیں۔

"فلو اسکن فقیرا دارہ سنة ناویا للزکوۃ لا یجزئہ" (الدرمع الرد ۲ / ۳)۔

(اگر فقیر کو ایک سال کے لئے اپنے گھر میں زکوٰۃ کی نیت سے ٹھہرا دیا تو (زکوٰۃ کی ادئیگی کے لئے) یہ کافی نہیں ہے)۔

مکان یا دوکان کا فقیر کو مالک بنا کر دینا:

زکوٰۃ کا مقصد حاجت مندوں، فقراء و مساکین کی ضروریات کی تکمیل ہے، ان کی یہ ضرورت لباس، غذا، روٹی مکان، دوا علاج میں سے کوئی بھی ہوسکتی ہے، لہذا ان کو جس چیز کی شدید، فوری ضرورت ہو زکوٰۃ میں وہی شئی دینا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس میں "انفع للفقراء" کا لحاظ کیا گیا ہے، مکان، دوکان، تعمیر کر کے کلی مالک بنا دیا جائے تو اس سے فقراء و مساکین کو رہنے کے لئے مکان مل جائے گا اور کھلے آسمان کے نیچے سونے کے بجائے چھت کے تلے آرام کی نیند سو سکیں گے اور معاش کے لئے اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں گے، تفصیل کے لئے دیکھئے: (مجمع الانہر ۱ / ۲۰۳)۔

اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ ایک آدمی کو مکمل نصاب کے بقدر مال دینا مکروہ ہے، اور یہاں مکان یا دوکان جو اس کو دیا جا رہا ہے اس کی قیمت دو سو درہم سے کسی حال میں کم نہیں ہوگی، ہاں یہ درست ہے اور فقہاء نے مکروہ نہیں لکھا ہے، اس لئے کہ اس سے فقیر صاحب نصاب مالدار نہیں ہوا، بلکہ اس کی ضرورت پوری ہو رہی ہے اور فقیر کو اتنا مال دینا جس سے خود اس کی اور ما تحت افراد کی حاجت پوری ہو مکروہ نہیں ہے، اور نہ اس میں کوئی شرعی قباحت ہے، بلکہ زکوٰۃ کا مقصود اور مطلوب یہی ہے۔

شیخ ابوبکر حصاص رازیؒ (م۔ ۳۷۰) نقل فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے مکروہ قرار دیا ہے کہ ایک آدمی کو دو سو درہم دیئے جائیں، اس لئے کہ دو سو درہم مکمل نصاب ہے تو وہ صدقہ کا مالک ہوتے ہی مالدار ہو جائے گا........امام ابوحنیفہ کا یہ قول کہ وہ آدمی کو اتنا مالدار کر دے، یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اس سے ان

کی مراد وہ مالداری نہیں جس سے اس پر زکوٰۃ فرض ہو، بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس کو اتنا دے جس سے وہ سوال کرنے سے بے نیاز ہو جائے اور اس سے اپنے چہرہ کی ذلت کو چھپا لے اور اسے اپنی معاش میں خرچ کرے (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص ۵/۱۳۸)۔

پاکستان کے مفتی رشید احمد صاحب ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

"اگر رقم مسکین کو نہیں دی، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دے دے، جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ دیدے، اس کی تعمیر کی تکمیل کر دے" (احسن الفتاوی ۴/۲۴۰)۔

یہی رائے حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ کی ہے (اسلامی فقہ ۱/۴۶۸)۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلی کا فتویٰ:

سوال: اگر زر زکوٰۃ سے غلہ یا کپڑا خرید کر مسکین کو دے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب: ادا ہوگی، کیونکہ ادائے مال زکوٰۃ میں رکن تملیک ہے (مجموعہ فتاوی عبدالحی ۱/۳۶۲) یہی حضرت تھانویؒ کا ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۰)۔

☆☆☆

اموال زکوۃ کا استثمار

مولانا محی الدین غازی فلاحی ☆

زکوٰۃ کی رقوم کے استثمار کا مسئلہ میرے علم کی حد تک ایک نیا مسئلہ ہے، اس سلسلے میں دور حاضر کے چند فتاویٰ ''اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء'' اور ''ہیئۃ الفتوی والرقابۃ الشرعیۃ بیت التمویل الکویتی'' میری نظر سے گذرے۔

ان فتاوی سے تین مختلف طرح کے موقف سامنے آتے ہیں:

۱- اموال زکاۃ کا استثمار جائز ہے، خواہ وہ مشاریع مستحقین کی ملکیت میں ہوں، یا کسی ذمہ دار ادارے کی نگرانی میں ہوں، البتہ دو شرطوں کے ساتھ۔

پہلی شرط: مستحقین زکاۃ کی انتہائی ضروری اور فوری ضروریات کی تکمیل ہو چکی ہو۔

دوسری شرط: خسارے سے محفوظ رہنے کے امکانات موجود ہوں۔

۲- اموال زکوٰۃ کا استثمار درست نہیں ہے۔

۳- استثمار مطلقاً جائز ہے، البتہ خسارے سے بچنے کے حتی الامکان اقدامات کئے جائیں، مذکورہ بالا موقعوں میں ایک اور موقف کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے مولانا مودودیؒ کا جس کی رو سے ''عاملین علیہا'' کو زکوٰۃ کے اموال میں ایسے ہر تصرف کا اختیار ہے جو مستحقین زکوٰۃ کے مفاد میں ہو۔

راقم السطور کے نزدیک مسئلہ کا جواب یوں ہے:

☆ دبئی، متحدہ عرب امارات۔

۱- زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار فی نفسہ درست ہے، یعنی اگر مستحقین زکوٰۃ اپنے حصے کی زکوٰۃ کے مالک بن جاتے ہیں اور پھر وہ کسی مشروع میں لگا کر اس کا استثمار کرتے ہیں تو اسکے جواز میں کوئی شبہہ ہی نہیں رہ جاتا۔

لیکن کسی ادارے کو یا خود اصحاب اموال کو اس کا اختیار نہیں دیا جا سکتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقوم کو مستحقین کے حوالے کرنے کے بجائے اس کا استثمار کریں۔

دلائل:

۱- زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے۔

اس کلیہ کی لوگوں نے مختلف انداز سے تعبیر کی ہے، میرے نزدیک فی سبیل اللہ کی دو شرط تملیک سے خالی ہے، نیز ''فی الرقاب'' اور ''الغارمین'' اور ''ابن السبیل'' کی مدبھی شرط تملیک سے خالی ہے، بقیہ تمام میں تملیک ضروری ہے، تملیک کے حق میں دلائل کے لئے زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک مرتبہ مولانا عتیق احمد قاسمی بڑی حد تک کافی ہے، مختصراً چند دلائل پیش خدمت ہیں:

آتوا لزکاۃ: لفظ ''ایتاء'' تملیک کا مقتضی ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ ہو، یا برائے اختصاص اتنا تو واضح ہے کہ زکوٰۃ مذکورہ مستحقین کا حق ہے، یعنی ان کے علاوہ کسی اور کا اس میں تصرف جائز نہیں ہے، نہ اس سے انتفاع درست ہے۔

''وفی أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم'' (سورۂ ذاریات:۱۹)۔

حدیث معاذ: ''فاعلم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم وترد إلى فقرائهم'' (ابوداؤد ۲/ ۲۲۳، ترمذی ۱/ ۱۳۶) یہاں فقراء کا خاص طور سے تذکرہ اور پھر رد کی تعبیر بڑی واضح دلالت رکھتی ہے کہ اموال زکاۃ میں اولیت فقراء کو حاصل ہے اور یہ انہیں کا مال ہے جو انہیں دیا نہیں جا رہا ہے، بلکہ لوٹایا جا رہا ہے۔

یہاں یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ تملیک کی شرط صرف فقہاء احناف نے نہیں لگائی ہے بلکہ ائمہ اربعہ کے یہاں یہ قید موجود ہے۔

اس کے بعد یہاں یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ استثمار میں کیا تملیک کی شرط پوری ہو رہی ہے؟
اگر مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ پر تصرف کا اختیار دئے بغیر زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہوگی ہاں اگر مستحق زکوٰۃ کو تصرف کا اختیار دے دیا جائے اور پھر اس کی اجازت سے اس رقم کو استثماری اسکیم میں لگایا جائے تو تملیک کی شرط پوری ہو جائے گی، اس کی نظیر ہے فقیر کے قرض کی ادائیگی۔ امام کاسائیؒ نے لکھا ہے:

"ولو قضى دين فى فقير إن قضى بغير أمره لم يجز، لأنه لم يوجد التمليك من الفقير لعدم قبضه، وإن كان بأمره يجوز عن الزكاة لو جود التمليك من الفقير، لأنه لما أمره به صارو كيلا عنه فى القبض فصار كأن الفقير قبض الصدقة بنفسه وملكه من الغريم" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۴۳)۔

۲- زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلے میں فقہاء کے پیش نظر یہ بات بھی رہی ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو تصرف کی پوری آزادی فراہم کی جائے، چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی بصورت قیمت کے تحت ڈاکٹر وہبہ زحیلی علماء احناف کے موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وإذا القيمة مثل أداء الجزء من النصاب من حيث أنه مال، ولأن فى ذلك تيسير ا على المزكى وتوفر الحرية الفقير فى التصرف بالمال حسب الحاجة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، کتاب الزکوۃ ۲/ ۸۵۵)۔

یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ استثمار کی شکل میں اس مستحق زکوٰۃ کی تصرف کی آزادی کسی قدر سلب ہو جاتی ہے، وہ ایک بڑی رقم کا مالک ہوتے ہوئے بھی اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے بے بس ہوتا ہے وہ تنگ حال اور ضرورت مند ہوتا ہے اور اس کا مالک خسارے کے خطرے سے دوچار رہتا ہے۔

۳- زکوٰۃ کی ادائیگی میں اس کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جلد از جلد مستحق زکوٰۃ تک پہنچ جائے، استثمار کی صورت میں اس میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے اور خسارے کی صورت

میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ رقم اس کو مل بھی نہ سکے، لہذا جب اس رقم کا مستحق تک پہنچنا بآسانی ممکن ہوتو محض ایسے تصرف کی وجہ سے اس کو معرض خطر میں ڈال دینا جس میں اس کی مرضی بھی شامل نہ ہو، کہاں تک درست ہے۔

۴- قرآن پاک نے زکوٰۃ کے مستحق کا ذکر جس ترتیب سے کیا ہے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زکوٰۃ کے استحقاق میں بنیادی حیثیت فقراء کو حاصل ہے، حدیث معاذ سے اس کی بھرپور تائید بھی ہوتی ہے، جب فقراء کو اولیت حاصل ہے تو فقر کے جو بہت سے مراتب ہیں ان میں بھی درجہ بندی ہونا چاہئے جو فقیر انتہائی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہے وہ زیادہ مستحق قرار پائے اور جس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو چکی ہوں اس کا بعد میں نمبر آئے۔

بنیادی ضرورتوں سے محروم فقراء ومساکین کے ہوتے ہوئے رقم زکوٰۃ کا استثمار کہ جس کے منافع سال بھر بعد ملیں یا خسارے کی صورت میں مل ہی نہ سکیں بڑی عجیب سی بات ہے۔

۵- موجودہ حالات میں جبکہ اوقاف کی حالت خود بدتر ہے، سرمایہ کاری کے نام پر چلنے والے مسلم ادارے ناکام اور کرپٹ قرار پاچکے ہیں اور اس طرح کا عمدہ تصور اپنا وقار کھو چکا ہے، مسلمانوں کی اخلاقی حالت تشویشناک ہے، سرمایہ دارانہ ذہنیت مذہبی تقدس کو داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔

قاعدہ "سد الذرائع" اور قاعدہ "دفع الضرر اولی من جلب المنافع" کے تحت ضروری ہے کہ اس خیال کو فتوئ شرعی کی تائید حاصل نہ ہو۔

ورنہ اندیشہ ہے کہ غلط قسم کے لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے زکوٰۃ کے استثمار کے نام پر اسکیمیں آئیں گی۔ لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور بالآخر غریب لوگ اس سے محروم ہی رہ جائیں گے۔

اس لئے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کا نظام جس طرح سادہ ہے اور اپنی سادگی ہی میں جتنا محفوظ ہے اسے محفوظ رہنے دیا جائے۔

ہاں اگر کہیں اسطرح کی اسکیم کی ضرورت سمجھی جارہی ہوتو مستحقین زکوٰۃ کے درمیان رائے عامہ ہموار کی جائے کہ اگر بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد ان کے پاس کچھ رقم بچتی ہے اور وہ خودکو اس طرح کی اسکیموں پر اعتماد کرنے کے لائق پاتے ہیں تو وہ ایسا کریں۔

یہ محض جذباتی رائے دہی نہیں ہے، قاعدہ ''سد الذرائع'' کا اعتبار انہیں پہلوؤں سے ہوتا ہے۔

البتہ یہاں یہ بتانا شاید برمحل ہو کہ اکیڈمی کی جانب سے دیے گئے سوالنامے کا انداز کچھ جذباتی بھی ہے، مثلاً یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ایسے کارخانوں میں غریب ملازم رکھے جائیں گے کیونکہ اس سے مسئلے کی شرعی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے جائز استثمار میں باثروت ملازم بھی رکھنا جائز ہیں، اور ناجائز استثمار غریب ملازم رکھنے سے جائز نہیں ہوسکتا ہے۔

زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کرکے فقراء کو رہائشی یا تجارت کے لئے دینا اور انہیں مکان یا دوکان کا مالک نہ بنانا قطعاً ناجائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا رکن یعنی تملیک اور قبضہ دینا ایسی صورت میں مفقود ہے۔

فقہاء نے تو عام طور سے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ مال زکوٰہ فقراء کے حوالے کرنے کے بجائے انہیں اس میں سے کھانا کھلایا جائے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۴۳، کتاب الفروع ۲/ ۶۱۹)۔

فقراء میں زکوٰہ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ:

زکوٰۃ دینے والے کو یا زکوٰۃ تقسیم کرنے والے کو زکوٰۃ کی رقم یا اس کے نوع میں ایسے کسی تصرف کا اختیار نہیں ہے جس سے اس کی مالیت محدود ہو جائے یا کم ہو جائے۔

ایسے تصرف سے مستحق زکوٰۃ کی آزادی تصرف متاثر ہوتی ہے، کیونکہ مکان بننے کی

صورت میں وہ مکان میں رہنے پر مجبور ہوگا ضرورت پڑنے پر فروخت کرنا ہے تو اس کی قیمت گھٹ سکتی ہے اور اس میں مشقت بھی ہے۔

اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں جزءِ نصاب ہی کی ادائیگی ہو، احناف نے قیمت کی صورت میں ادائیگی جائز قرار دی ہے، اس علت سے کہ "**فی ذلک تیسر علی المزکی وتوفیر لحِریة الفقیر فی التصرف بالمال حسب الحاجه**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۸۵۵)۔

اس اصل سے ہٹ کر کسی طرح کا تصرف بذاتِ خود دلیل کا محتاج ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی دہرائی جاسکتی ہے کہ فقراء کی انتہائی بنیادی ضرورتیں مثلاً کھانا اور کپڑا زیادہ مدنظر رہنا چاہئیں۔

یہ بات بھی سامنے رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اگر قیمت یا جزءِ نصاب کی صورت میں ہو تو اس سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

☆☆☆

زکاۃ کے اموال کا استثمار

مولانا نثار احمد قاسمی

فقہاء حنفیہ میں سے علامہ علاء الدین محمد بن علی (المتوفی ۱۰۸۸ھ) ''درمختار'' میں زکاۃ کی تعریف کرتے ہیں ''شرعا: (تملیک) خرج الإباحة.....''

''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں حنابلہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف سے زکاۃ کی جو تعریف نقل کی ہے اس کی ماہیت میں بھی تملیک کو ذکر کیا ہے:

''وشرعا: تملیک مال مخصوص المستحقة بشرائط مخصوصة''

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ)۔

حنابلہ کی تعریف میں تملیک کا ذکر صراحتاً نہیں ہے، لیکن ادائیگی زکاۃ کے لئے تملیک کی شرط ان کے یہاں بھی ہے جس کہ تصریح ''المغنی'' کے حوالہ سے عنقریب آ رہی ہے۔

علاوہ ازیں لفظ ''ایتاء'' زکاۃ وصدقات کے علاوہ دوسرے مواقع میں بھی استعمال ہوا ہے، وہاں بھی ایتاء کا مفہوم یہی ہے کہ ان کو مالک بنا دیا جائے، مثلاً **''وآتوا النساء صدقتهن نحلة''** (سورۂ نساء: ۴) (یعنی عورتوں کو ان کے مہر دے دو) ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کا مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، ورنہ اس کے بغیر مہر کی ادائیگی نہیں ہوئی اسی طرح یہاں بھی سمجھنا چاہئے کہ جب تک کہ رقم زکاۃ کا کسی مستحق کو مالک نہ بنا دیا جائے اس وقت تک زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

صدقہ کے حقیقت کی وضاحت:

اللہ تعالیٰ نے اس کا نام صدقہ رکھا ہے اگر صدقہ کی حقیقت ہی میں غور کرلیا جائے تو اس سے بھی تملیک ضروری معلوم ہوتی ہے۔

علامہ ابن ہمام صدقہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”فان الله سماها صدقة و حقيقة الصدقة تمليك المال من الفقير“(فتح القدیر ۲/۲۶۷، بدائع الصنائع ۲/۱۴۲، احکام القرآن للرازی ۳/۱۲۵)۔

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی نے مذکورہ مفہوم کی ان الفاظ میں ترجمانی کی ہے:

”ولذا سمى الله الزكاة صدقة بقوله عز وجل : إنما الصدقات الاية والتصدق تمليك “

مذکورہ بالا آیات قرانیہ اور عبارات فقہیہ سے یہ بات بالکل واشگاف ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک بھی ادائیگی زکاۃ کے لئے تملیک شرط اور امر لابدی ہے۔

”وقد روى زياد بن الحارث الصدائي قال: أتيت النبي ﷺ، فبايعنه قال: فاتاه رجل فقال: اعطمني من الصدقة، فقال له رسول الله ﷺ: إن الله لم يرض بحكم بني ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها فجزأ هما ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك“(ابوداؤد ۱/۲۳۰)۔

نبی کریم ﷺ حضرت معاذ بن جبل کو جب یمین کے لئے روانہ فرما رہے تھے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے لمبی نصیحت فرمائی تھی جس میں ایک جملہ یہ بھی تھا:

”فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم“(ترمذی ۱/۱۳۶)۔

ترمذی ہی میں ایک دوسری روایت ہے جو مذکورہ روایت کے مفہوم کی تائید کرتی ہے۔

"عن عون بن أبی جحیفة عن أبیه قال: قدم علینا مصدق النبی ﷺ فأخذ الصدقة من أغنیائنا فجعلها فی فقرائنا" (ترمذی ۱/۱۴۱)۔

مذکورہ روایات میں "اعطاء"، و "رد" کے الفاظ آئے ہیں جو تملیک سے قبل متحقق نہیں ہوسکتا۔

ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے:

احقر کے مبلغ علم کے مطابق تقریبا جمہور فقہاء امت اس امر پر متفق ہیں کہ زکوۃ کی ادائیگی کیلئے مذکورہ مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، مالکانہ قبضہ دیئے بغیر اگر کوئی مال زکوۃ انہی لوگوں کے فائدہ کے لئے خرچ کردیا گیا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

اسی وجہ سے ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کی رقم کو رفاہی کاموں، مساجد، مدارس، یتیم خانے، شفاخانے کی تعمیر، پلوں کی مرمت، تکفین میت یہ اور اس طرح کے ہر وہ کام جس میں تملیک نہیں پائی جاتی میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء ہی کو پہنچتا ہو جو مصرف زکوۃ ہیں، مگر ان کا ان اشیاء پر مالکانہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: مبسوط ۲/۲۰۲، بدائع ۲/۱۵۰، الکافی فی فقہ المالکی ۱/۳۲۸، کتاب الأموال الروض المربع/۴۷۳)۔

تملیک کے سلسلہ میں قابل غور امور:

فقہاء کرام نے ادائیگی زکوۃ میں تملیک کی شرط کتاب وسنت کی تعبیرات کو سامنے رکھ کر لگائی ہے، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں۔

۱-قرآن مجید میں مصارف زکوۃ کا آغاز "لام" سے کیا گیا ہے، جو تملیک کے لئے آتا ہے۔

۲-قرآن مجید نے متعدد مواقع پر "وآتوا الزکوة" (سورہ بقرہ: ۴۳) کہا ہے، ایتاء اعطاء کے معنی میں ہے، جیسا کہ مہر سے متعلق ارشاد خداوندی ہے: "وآتوا النساء صدقاتهن نحلة" (سورۂ نساء: ۴) یہاں بھی ایتاء تملیک کے معنی میں ہے۔

۳-رسول اکرم ﷺ نے زکوۃ کے بارے میں فرمایا:"تؤخذ من أغنيائهم وترد علی فقرائهم"(ترمذی۱/ ۱۳۶)اور لفظ "رد" تملیک کو مستلزم ہے۔

غرض تمام قرائن یہ بتلاتے ہیں کہ زکوۃ میں تملیک ضروری ہے۔

مال زکوۃ سے بغرض آمدنی فیکٹریوں کے قیام کا حکم:

مذکورہ بالا مباحث وتفصیلات کی روشنی میں سوالات کے ہر ہر جز کا جواب بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے،مزید وضاحت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی،تاہم مختصراً عرض کرتا ہوں۔

استثمار کے ارکان وغیرہ کے مباحث سے قطع نظر مذکور فی السوال صورت میں زکوۃ کی رقوم کا استثمار جائز نہیں ہے،اس لئے کہ ادائیگی زکوۃ کے لئے تملیک،یعنی مستحقین زکوۃ کو بلاعوض مالک بنا دینا شرط ہے،آمدنی کے لئے فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے کی صورت میں تملیک نہیں پائی جائے گی جو ادائیگی زکوۃ کے لئے رکن کی حیثیت رکھتا ہے اور جب تملیک نہیں پائی جائے گی تو زکوۃ بھی ادا نہ ہوگی،لہذا آمدنی کے لئے مال زکوۃ سے فیکٹریاں وغیرہ بلاحیلہ تملیک قائم کرنا جائز نہیں ہے،خواہ اس کی آمدنی مستحقین زکوۃ میں تقسیم کی جائے یا فقراء کو اس فیکٹری میں ملازمت دی جائے۔

منافع پر ملکیت سے ادائیگی زکوۃ:

زکوۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں وغیرہ بنا کر فقراء ومساکین کو محض نفع اٹھانے ،یعنی رہائش یا تجارت کے لئے دے دیئے جائیں اور ان کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں بھی زکوۃ ادا نہیں ہوگی،اس لئے کہ اصل مال کا مالک نہیں بنایا جارہا ہے، بلکہ منافع کا مالک بنایا جارہا ہے،اور فقہاء کرام نے جو زکوۃ کی تعریف کی ہے اس سے منافع خارج ہوجاتا ہے(دیکھئے:درمختار ۱/ ۱۲۹،البحرالرائق ۲/ ۳۵۳،فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۹۰)۔

۳-اموال زکوۃ سے مکان، دوکان وغیرہ تعمیر کر کے فقراء کو مالک بنادینے میں کوئی شرعی قباحت ہے؟

مذکورہ سوال کے جواب سے قبل چند باتیں بطور تمہید ملاحظہ ہوں:

۱-مزکی خود ہی مذکورہ امور کی انجام دہی کرتا ہے، یا اپنے نائب اور وکیل سے کراتا ہے۔

۲-اموال زکوۃ وصول کرنے والا خود ہی مستحق زکوۃ ہے یا اس مستحق کا ولی اور نائب ہے۔یا کوئی ایسا ادارہ ہے جو عرفاً فقراء ومساکین کے وکیل ہوتے ہیں۔

۳-اموال زکوۃ وصول کرنے والا اجنبی ہو، یعنی فقراء کا نہ حقیقۃ وکیل ہو نہ عرفاً۔

اب اصل مسئلہ ملاحظہ ہو۔

فقراء کو اموال زکوۃ کا بلاعوض مالک بنانا ضروری ہے، خواہ عین رقم کا ملک بنایا جائے یا اس رقم سے کوئی شی خرید کر یا عمارت وغیرہ بنوا کر ان کے حوالہ کر دیا جائے اور ان کو اس کا مالک بنادیا جائے بہر صورت حنفیہ کے نزدیک زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

مذکورہ امور کی انجادہی کے لئے ۱، ۲ کے لوگوں کو اموال زکوۃ میں تصرف کرنا جائز ہے ان کے علاوہ تیسرے لوگوں کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔

شرعی قباحت کی وضاحت:

مذکورہ صورت میں شرعی قباحت کتب فقہ کی ورق گردانی سے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حنفیہ (امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام احمد) کے نزدیک کسی فقیر ومحتاج کو مالدار، یعنی صاحب نصاب بنادینا مکروہ ہے، اگر چہ زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

حنفیہ میں سے امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ نہ تو دینا جائز ہے اور نہ زکوۃ ذمہ سے ساقط ہوگی، اور فی الحال بیالیس سو روپے کی مالیت جس شخص کے پاس ہو وہ صاحب نصاب ہو جاتا ہے (فی الوقت ایک تولہ چاندی کی قیمت ۸۰/روپے ہے تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت

بیالیس سو روپے ہوئی) اور فی زمانا ایک کمرہ تیار کرانے پر کم از کم پندرہ ہزار روپے کا صرف ہوتا ہے تو اگر ایک ہی کمرہ کسی فقیر کو دیا جائے تو گویا اس کو پندرہ ہزار روپے کا مالک بنادیا اور یہ مقدار نصاب سے بہت زیادہ ہے، اور ایسا کرنا عندالحنفیہ مکروہ ہے۔

علامہ کاسانی ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ویکرہ لمن علیه الزکوة أن یعطی فقیرا مأیتی درهم أو أكثر ولو أعطی جاز سقط عنه الزكوة فی قول أصحابنا الثلاثة وعند زفر: لا یجوز ولا یسقط'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۶۰)۔

احقر کی ناقص رائے:

مذکورہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، عبارات فقہیہ اور قرائن و دلائل کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کی رقوم کا استثمار، یعنی فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا، یا اموال زکوۃ سے مکانات و دکانیں تعمیر کر کے محض رہائش کے لئے دے دیئے جائیں، انہیں مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ ان صورتوں میں تملیک (جو رکن زکوۃ ہے) نہیں پائی جاتی ہے، اور فقہاء امت نے ہر وہ کام جس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، اموال زکوۃ کو خرچ کرنے کی کلا اجازت نہیں ہے، البتہ فقہاء نے جو حیلہ بیان کیا ہے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے، اگر اموال زکوۃ سے مکانات وغیرہ تعمیر کرا کر فقراء کو مالک بنادیا جائے تو یہ صورت جواز کی ہے۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

زکاۃ کی سرمایہ کاری

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

اس عنوان کے تحت اگر چہ کئی سوالات کئے گئے ہیں، مگر حقیقی سوال جن سے دیگر سوالات کے جوابات بھی مل جاتے ہیں۔ راقم کو بس دو معلوم ہوئے۔

۱- استثمار درست ہے یا نہیں۔

۲- زکاۃ کے مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے یا نہیں؟

اس لئے صرف ان دو مرکزی سوالوں کے جوابات دینے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے ان دونوں سوالوں کے جوابات متعین ہیں، وہ یہ کہ:

۱- استثمار، یعنی زکاۃ کے اموال کو مستحق کو دینے کے بجائے اسے تجارت میں لگانا درست نہیں ہے، جیسا کہ بیشتر کتب فقہ میں ملتا ہے، مثلاً فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

”زکاۃ کا مال تجارت میں لگانا درست نہیں، اس مال زکوۃ کو بعینہ صدقہ کر دیا جائے

(فتاوی دار العلوم ۲، ۲۰/۳ ناشر مکتبہ امدادیہ دیوبند)۔

یہی حکم فتاوی رحیمیہ میں بھی ملتا ہے (فتاوی رحیمیہ ۸/۲)۔

۲- مستحق زکاۃ کو (مال زکوۃ کا) مالک بنانا ضروری ہے، مالک بنائے بغیر زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

☆ استاذ تفسیر و فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

یہ حکم بھی تمام کتب متعلقہ میں ملتا ہے، مثلاً فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب ''بدائع الصنائع''
میں ہے:

''وأما رکن الزکاۃ...... هو إخراج جزء من النصاب و تسلیم ذلک إلیه یقطع المالک یده بتکمیله من الفقیر والتسلیم إلیه أو إلی من هو نائب عنه و المصدق والملک ذلک للفقیر یثبت من الله ......وقد أمر الله تعالی إلی الملاک بإتباء الزکاۃ لقوله عز و جل: وأتوا الزکاۃ والإیتاء هو التملیک ...... وکذا سمی الله تعالی الزکاۃ صدقة...... إنما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک فیصیر المالک مخرجا قدر الزکاۃ الخ''(بدائع الصنائع ۲/ ۲۹)۔

لہذا معلوم ہوا کہ اگر مال زکوۃ سے مکانات یا دوکانیں وغیرہ تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دے دی جائیں تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔

☆☆☆

مال زکوٰۃ کا استثمار

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

۱- (الف، ب) زکوٰۃ کی رقم کو جلد از جلد مستحقین تک پہنچایا جانا ضروری ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، غرباء کی مدد کے لئے دوسری مدوں کی رقوم سے کارخانے قائم کئے جائیں، یا انہیں کو زکوٰۃ کی رقوم دے کر آمادہ کیا جائے، ان کے شیر وغیرہ رکھے جائیں۔

(ج) تملیک: فقہ اکیڈمی اس مسئلہ کو پہلے ہی طے کر چکی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، لہذا تملیک کی صورتوں کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے بنے مکانات وغیرہ کا اعارہ وغیرہ۔

اموال زکوٰۃ عاریۃً یا وقتی استفادے کے لئے دیئے جائیں تو تملیک نہ پائے جانے کی بناء پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳- زکوٰۃ کی رقوم کا مختلف اشیاء کی شکل میں مستحقین کو دینا۔

مال زکوٰۃ جب مستحق کے ہاتھ میں پہنچا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، خواہ جس شکل و صورت میں ہو، یعنی اس مال سے کپڑا وغیرہ خرید کر دیا جائے، یا مکان وغیرہ تعمیر کرا کے یا گاڑی خرید کر دی جائے، مالک بنا دیا تو ادا ہوگئی، بظاہر اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

☆☆☆

☆ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ ہتھورا، باندہ۔

استثمار باموال الزکاۃ

مولانا ناز بیر احمد قاسمی☆

اسباب ظاہری کی حد تک یہ بھی ضرور کیا جانا چاہئے کہ کسی طرح ایسا فنڈ جمع ہو جائے اور ایسے کارخانے اور فیکٹریاں قائم ہو جائیں جو مستقل اور پائدار انداز سے مسلمانوں کی غربت و فلاکت کا مداوا بنتا رہے۔

اس لئے ایک صحیح راستہ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قیمتی اثاثہ و جائداد جو بشکل اوقاف موجود ہیں، مگر بہت سی جگہوں پر خود مسلمانوں کے ہاتھوں خرد برد اور برباد ہو رہی ہیں، ان کا صحیح اور مناسب سروے کر کے معقول نظم کیا جائے، اس کے بعد دوسرا صحیح طریقہ اسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ارباب مال اور صاحب ثروت حضرات جو اپنی مختلف تقریبات میں ہزاروں لاکھوں روپے محض نام آوری کی مد میں خرچ کرنے سے نہیں ہچکچاتے وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے صحیح فکر اور امنگ کے ساتھ اپنے ذاتی اثاثہ اور نجی کاموں سے اسطرح کا فنڈ جمع کر دیں، یہ ایک بے خطر اور متفق علیہ فنڈ ہوگا، لیکن اپنے ذاتی اثاثہ کے بجائے اللہ کے لازم کردہ مالی حقوق، یعنی اموال زکاۃ وغیرہ سے اس قسم کے فنڈ کی فراہمی اور تعاون کی کوششوں کو یہی کہا جائے گا کہ یہ مفلوک الحال مسلمانوں کے حال زار پر محض مگرمچھ کا آنسو بہانا ہے، اور اپنے کاندھے پر کوئی ادنی بار اٹھائے بغیر بس اللہ تعالی ہی کے مالی حقوق کے کاندھے پر رکھ کر امداد و تعاون کی بندوقیں فائر کرنا ہے۔

"رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف"

☆ مہتمم اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی، بہار۔

''اب آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے'' کے تحت اپنے کڑوے کیسلے اظہار خیال کے بعد مرسلہ سوالوں کے جوابات عرض کیے جارہے:

ا-(الف) کسی دوسرے دبستان فقہ کے امام ومشائخ کے مسلک واجتہاد کے مطابق فریضہ زکاۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کیلئے فقراء ومستحقین کو مکمل طور پر مالک بنا دینا ضروری نہ ہو تو نہ ہو، مگر فقہ حنفی میں تو تملیک شرط لازم ہے۔'' آتو الزکاۃ'' کے لفظ '' ایتاء'' اور'' انما الصدقات'' کے لفظ صدقہ کا مفہوم ومقتضاء یہی ہے جو اپنی جگہ پوری تفصیل کے ساتھ مدلل طور پر فقہ حنفی کی کتابوں میں موجود ومذکور ہے۔

اس لئے عندالاحناف رقوم زکوۃ سے استثمار کا وہ طریقہ جو سوالنامہ میں لکھا گیا ہے کہ ان رقوم زکاۃ سے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرکے مستحقین زکاۃ ہی کو ان میں ملازمت دیکر ان کے لئے ایک روزگار فراہم کرکے ان کی فلاکت اور معاشی پسماندگی کو دور کیا جائے اور نتیجتاً ان فقراء وغرباء کے دین وایمان کی حفاظت کی جائے'' شرعی نقطہ نظر سے صحیح اور درست نہیں ہوسکتا، لعدم التملیک۔

(ب) اموال زکاۃ سے استثمار کے عدم جواز کی اصلی اور بنیادی وجہ صرف وہی تملیک کا فقدان ہے، جبکہ ادائیگی زکاۃ کی صحت وتمامیت کیلئے تملیک کا ضروری ہونا ہی حدیث وقرآن کے نصوص اور تعامل اسلاف کی روشنی میں راجح اور لائق تمسک بھی ہے۔

(ج) ادائیگی زکاۃ کی صحت کیلئے تملیک، فقہ حنفی کے معمول بہا اور مفتی بہا روایت کے مطابق بہر حال لازم شرط ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط ہرگز نہیں پوری ہورہی ہے۔

۲- زکاۃ کے اموال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں بنوا کر مستحقین فقراء کو محض رہائش یا تجارت کیلئے دیا جائے مالک نہیں بنایا جائے تو بھی ادائیگی زکاۃ نہیں ہوگی، لعدم تملیک العین، ولکون تملیک المنافع۔ فقط

۳- ہاں اگر اموال زکاۃ تقسیم کرنے کی جگہ ان سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کرکے فقراء

مستحقین کو اس کا مکمل مختار مالک بنا دیا جائے تو یہ صحیح ہوگا ادائیگی زکاۃ ہو جائے گی۔

بظاہر نظر اس میں ایک قباحت یہ ضرور محسوس ہوا کرتی ہے کہ دوکان، یا مکان کی قیمت، یا اس کا صرفہ ولاگت یقیناً کم از کم بیس پچیس ہزار روپے ہونگے جو بقدر نصاب ہو جائے گا۔ اور فقراء و مستحقین کو اموال زکاۃ سے بقدر نصاب دیدینا مستحسن نہیں سمجھا گیا ہے۔

لیکن رہائشی مکان تو حوائج اصلیہ میں داخل ہو جانے کے بعد سبب کالمعدوم ہی ہو جائے گا کوئی قباحت نہ رہ پائیگی، البتہ دوکان والی صورت کسی نہ کسی درجہ میں قبیح اور غیر مستحسن رہے گی، جسے فقراء کے مستقبل کو سنوارنے اور اس کے دین وایمان کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہونے کی بنا پر نظر انداز کیا جا سکتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)، بلکہ ایک ذریعہ معاش ہونے کے سبب آلات المحترفین اور اراضی کاشت کیطرح اسے بھی حوائج اصلیہ میں داخل مان کر کالمعدوم کر دیا جائے۔

☆☆☆

اموال زکاۃ کا استثمار

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

۱- اموال زکوۃ کی دو قسمیں ہیں: اموال ظاہرہ، اموال باطنہ۔

اموال ظاہرہ مراد، سائمہ جانور ہیں۔ اور اموال باطنہ سے مراد اموال تجارت اور سونا چاندی و غیرہ ہے۔

۲- اموال ظاہرہ میں مزکی کو اختیار نہیں ہے کہ از خود زکوۃ کی رقم اس کے مصارف میں خرچ کرے

۳- اموال باطنہ کی زکوۃ مزکی خود اس کے مصارف میں خرچ کر سکتا ہے، اور اگر سامان تجارت لے کر کسی عاشر کے پاس سے گزرے اور زکوۃ کی رقم اس کے حوالہ کر دے تو بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

۴- زکوۃ کی رقوم کے استثمار کے مسئلہ پر غور کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ استثمار کا یہ عمل کون کر رہا ہے؟ خود مزکی، اس کا وکیل یا سلطان وقت۔

۵- اگر سلطان وقت اموالِ زکوۃ کو ان کے مصارف میں خرچ کرنے کے بجائے اس سے کوئی کارخانہ قائم کرتا ہے، تاکہ اس سے مزید آمدنی حاصل کی جائے، اور اس سے فقراء و مساکین کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچایا جائے، تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ زکوۃ کی رقم صرف کرنے میں اللہ تعالی نے بندوں کو اختیار نہیں دیا ہے، بلکہ اس نے خود اس کے مصارف بیان کر دیا ہے، اس

☆ قاضی امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

کے علاوہ کہیں خرچ کرنے کا اختیار ان کو نہیں دیا ہے۔

نیز حضور ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں میں فقر و فاقہ اور مالی بدحالی زیادہ تھی، مگر کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ مسلمانوں سے فقر و مسکنت کو دور کرنے کے لئے زکوۃ کو اس کے مصارف میں خرچ کرنے کے بجائے اس میں اضافہ کے لئے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہو، آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء راشدین کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔

اس کے باوجود اگر سلطان وقت نے زکوۃ کی رقم سے کوئی کارخانہ قائم کرلیا تو وہ گنہگار ہوگا، مزکی پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس نے جب زکوۃ کی رقم حکومت کی طرف سے وصول کرنے والے کو ادا کردیا ہے تو اب وہ زکوۃ کی ذمہ داری اس سے ساقط ہوگئی۔

۶ - اگر مزکی خود، یا اس کا کوئی وکیل زکوۃ کی رقم سے کوئی کارخانہ قائم کرتا ہے تو دراصل یہ کارخانہ زکوۃ کی رقم کا نہیں ہے، مزکی پر لازم ہوگا کہ زکوۃ کی رقم اس کے مصارف میں صرف کرے، کارخانہ قائم کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں ہوگا، لیکن اگر کارخانہ قائم کر لینے کے بعد زکوۃ کی رقم فقراء کو ادا نہیں کیا تو زکوۃ کی عدم ادائیگی کا گنہگار نہیں ہوگا، اور کارخانہ کی آمدنی سے بقدر زکوۃ بہ نیت زکوۃ اس نے فقراء کو دیدی تو بھی زکوۃ کی ذمہ داری سے بری ہو جائیگا، البتہ زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر پر گناہ گار ہوگا۔

۷ - زکوۃ کی رقم سے کارخانہ قائم کرنے میں زکوۃ اس لئے ادا نہیں ہوتی ہے کہ اس کے لئے مستحق زکوۃ کو مالک بنانا ضروری ہے، اور یہاں تملیک نہیں پائی جارہی ہے۔

۸ - اسی طرح اگر زکوۃ کی رقم سے دوکان یا رہائش کے لئے مکان تعمیر کرا کے فقراء و مساکین کو صرف رہائش یا دوکان داری کے لئے دیئے جائیں تو چونکہ اس میں تملیک نہیں ہے، اس لئے زکوۃ ادا نہ ہوگی (ہدایہ ۱۸۵/۱)۔

۹ - حنفیہ کے یہاں اگر کسی فقیر کو دوسو درھم یا اس سے زائد دیدیا جائے تو مکروہ ہے، مگر جائز ہوگا، البتہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ بقدر نصاب دینے پر وہ غنی ہو

جائے گا اور ادائیگی اور غناء ایک ساتھ پائے جائیں گے، یہ گویا ایسا ہوگا کہ کسی غنی صاحب نصاب کو زکوۃ دی گئی، اور صاحب نصاب غنی کو دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی ہے، اس لئے بقدر نصاب، یا اس سے زائد رقم کسی فقیر کو دیدی جائے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی، حنفیہ کہتے ہیں کہ جب فقیر کو مال دیا جائے گا وہ مالک ہو جائیگا تب غنی ہوگا، اس طرح ادائیگی کے بعد غنا پایا جائے گا، اس لئے غنی کو دینے کے حکم میں نہیں ہے، البتہ چونکہ ادائیگی کے فوراً متصل غنا پایا جا رہا ہے، اس لئے زیادہ سے زیادہ کراہت ہوگی (ہدایہ ۱/۱۸۷)۔

۱۰- اس کے باوجود اگر رہائش، یا مکان کے لئے مکان تعمیر کر کے کسی فقیر کو دیا جائے اور اس میں نصاب سے زائد مقدار خرچ ہوا ہو تو بھی میرے خیال میں یہ صورت اور کسی بھی قباحت اور کراہت کے بغیر جائز ہوگی، اس لئے کہ حضرات فقہاء نے اس صورت کو مکروہ قرار دیا ہے، جس میں فقیر نصاب کا مالک ہو کر غنی ہو جاتا ہے، لیکن مکان دینے کی صورت میں، جبکہ اس کے پاس رہائش، یا دوکان کے لئے دوسرا مکان نہ ہو تو اس مکان کی وجہ سے وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مکان اس کے حوائج اصلیہ میں داخل ہوگا، اس مکان کے لینے کے باوجود اگر اس کے پاس دوسرا کوئی مال نہ ہو تو زکوۃ کا مستحق ہوگا، اس لئے فقہاء نے جس صورت کو مکروہ قرار دیا ہے، اس میں یہ صورت داخل نہیں ہوگی۔

لہذا زکوۃ کی رقم سے رہائش، یا دوکان کے لئے مکان تعمیر کرا کر فقیر کو دے کر مالک بنا دینا کسی بھی قباحت و کراہت کے بغیر جائز ہوگا۔

☆☆☆

اموال زکوٰۃ کو آمدنی کا ذریعہ بنانا

مفتی جمیل احمد نذیری☆

زکوٰۃ کی رقوم کو آمدنی اور استثمار کا ذریعہ بنانا درست نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں ہوگی اور جب تملیک نہیں ہوگی تو زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی، ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے۔

فیکٹریاں اور کارخانے دوسری رقوم سے قائم کئے جائیں، زکوٰۃ کی رقم مستحقین میں اس طرح تقسیم کردینا ضروری ہے کہ انہیں بلا شرکت غیر مالک بنادیا جائے، زکوٰۃ کی رقم سے فیکٹریاں اور کارخانے قائم کرکے ان کے منافع، مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرنے یا مستحقین زکوٰۃ کو ان کارخانوں اور فیکٹریوں میں ملازمت دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسی طرح زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کرکے فقیر کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں ان مکانوں اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو بھی زکوٰۃ نہ ادا ہوگی، کیونکہ اس زکوٰۃ میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہوئی۔

"و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر" (درمختار ۲/ ۶۸)۔

طحاوی میں ہے:

"وأخرج بالتمليك الإباحة" (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/ ۴۱۳، نیز دیکھئے: ہدایہ ۱/ ۲۰۵، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۶۲۲)۔

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ مبارکپور اعظم گڑھ۔

زکوٰۃ میں تملیک رکن ہونے کی دلیل:

امام کاسانیؒ رقم طراز ہیں:

" فركن الزكوٰة هو إخراج جزء من النصاب إلى الله تعالىٰ و تسليم ذالك إليه يقطع المالك يده عنه، بتمليكه من الفقير و تسليمه إليه أوإلى يد من هو نائب عنه وهو المصدق"(بدائع الصنائع ۲/۲۹)۔

زکوٰۃ کے باب میں تملیک کا رکن ہونا ائمہ اربعہ کے یہاں مصرح ہے، یہ تنہا فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۸۷۵، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۵۹۰، المہذب ۱/۲۳۱، المجموع شرح المہذب ۶/۱۳۰ تا ۱۴۶، کتاب الفروع ۲/۶۱۹)۔

مالِ زکوٰۃ سے فقراء کو دوکان و مکان بنا کر دینا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو شرعاً جائز ہے۔

اولا: اس لئے کہ زکوٰۃ کا استبدال جائز ہے، یعنی جس چیز کی زکوٰۃ ذمہ میں واجب ہوئی ہے، اس کے بجائے اس کی قیمت ادا کرنا جائز ہے، یا اسی مالیت کی کوئی اور چیز دے دینا جائز ہے(حسامی/۹۹)۔

ثانیا: اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ اس صورت میں مستحق زکوٰۃ کو نصاب یا نصاب سے زیادہ دینا لازم آئے گا جو کہ فقہائے عظام نے مکروہ لکھا ہے، مگر چونکہ مدیون اور ذی عیال کے اس کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے ایسا مستحق زکوٰۃ جس کے پاس رہنے کا مکان نہ ہو، یا معاش کا کوئی معقول ذریعہ نہ ہو اس کی ضرورت اور محتاجگی کو دیکھتے ہوئے مذکورہ مدیون ذی عیال درجہ میں رکھا جا سکتا ہے۔

" وكره إعطاء فقير نصاباً أوأكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديونا أو

كان صاحب عيال بحيث لوفرق عليهم لايخص كلا أولا يفضل بعد دينه نصاب، فلا يكره فتح "(درمختار ٢/ ٧٤)۔

"و الأصل أن المزكى أن ينظر إلىٰ ما يقضيه حال الفقير من عيال وحاجات أخرىٰ كثياب و كراء منزل وغير ذالك"

علامہ یوسف القرضاوی نے "فقہ الزکوٰۃ" (جلد ثانی / ۵۶۳ تا ۵۷۸) اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور جواز کو راجح قرار دیا ہے۔

☆☆☆

اموال زکوٰۃ کا استثمار

مولانا ڈاکٹر عبداللہ جولم☆

بعض اموال زکوٰۃ کا استثمار جائز ہے، اور تملیک ضروری نہیں، رسول اللہ ﷺ جہاں زکوٰۃ تقسیم کرتے تھے وہیں زکوٰۃ کے کچھ اونٹوں کو پالتے بھی تھے اور مستحقین کو اس سے استفادہ کا موقع دیتے تھے، ملکیت میں دیئے بغیر، اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

”عن انس أن أناسا من عرينة اجتود المدينة فرخص لهم رسول الله ﷺ أن يأتوا إبل الصدقة فيشربو من ألبانلها وأبوالها فقتلوا الراعى و استاتو الذور فأرسل رسول الله ﷺ فأتى بهم فقطع أيديهم وأرجلهم وسمر اعينهم وتركهم بالحرة يعضون الحجارة“ (اخرجہ البخاری فی باب استعمال ابل الصدقۃ والبانہا لا بناء السبیل)۔

ابن حجر کہتے ہیں: اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کا مالک بنادیا، بلکہ اس میں یہ ہے کہ انہیں علاج کے لئے اونٹ کا دودھ پینے کی اجازت دی۔

ابن حجر کی عبارت یہ ہے:

” ليس فى الخبر أنه ملكهم رقابها، وإنما فيه أنه أباح لهم شرب ألبان الإبل للتداوى، فاستنبط منه البخارى جواز استعمالها فى بقية المنافع إذلا فرق، وأما تمليك رقابها فلم يقع“(فتح الباری ۳/۳۶۶)۔

☆ استاذ جامعہ دارالسلام، عمرآباد، تامل ناڈو۔

پھر ابن حجر کہتے ہیں:

" فغاية مايفهم من حديث الباب أن للإمام أن يخص بمنفعة مال الزكوٰة دون الرقبة صنفادون صنف بحسب الاحتياج"(فتح الباری ۳/۳۶۶)۔

اس موضوع پر مجمع الفقہ الاسلامی جدۃ نے ۱۹۸۶ء میں اردن میں کانفرنس کی تھی اس کے ابحاث وقرارداد (مجلۃ المجمع الفقہ الاسلامی العدد الثالث الجزء الاول میں مطبوع) ہیں اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

ادائیگی زکوۃ میں تملیک کا مسئلہ

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- (الف، ب، ج) ادائیگی زکاۃ کے لئے تملیک شرط ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد "إنما الصدقات للفقراء الخ" (سورۂ توبہ:۶۰) کا منشا بھی یہی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث: "تو خذ من أغنيا ئهم وترد إلى فقرائهم" سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس لئے اموال زکاۃ سے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنا ادائیگی زکاۃ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر فقراء کو روزگار تو مل جائیگا، لیکن تملیک نہ پائے جانے کی بنا پر زکوۃ معلق رہے گی۔

۲- اموال زکاۃ سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش، یا تجارت کے لئے دے دیئے جائیں اور انھیں مالک نہ بنایا جائے، تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے۔

۳- فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ اس فقیر کے پاس واقعی رہنے کا مکان نہیں ہے اور اس کو رہائش کے لئے مکان کی ضرورت ہے، اسی طرح دوکان بھی ایسے فقیر کو دی جائے

☆ استاذ دارالعلوم مئو، مئو (یوپی)۔

جس کے پاس حرفت اور تجارت کی کوئی صورت موجود نہ ہو اور وہ صاحب نصاب بھی نہ ہو۔

مکان اور حرفت کا سامان حاجت اصلیہ میں داخل ہے، ان کے مالک بنانے سے فقیر غنی کی حد میں داخل نہیں ہوگا، حرفت کے آلات میں دوکان براہ راست تو داخل نہیں ہے، لیکن بہت سے پیشے دوکان کے بغیر صحیح طور پر انجام نہیں دیئے جاسکتے، اسی طرح تجارت کے لئے دوکان ایک بنیادی ضرورت ہے، اس لئے ایک فقیر کے فقر کو مستقل دور کرنے کے لئے دوکان بھی دی جاسکتی ہے، تاکہ تھوڑی موڑی پونجی کا انتظام کرکے وہ کاروبار شروع کرے اور اپنے پیر پر کھڑا ہوسکے۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد: ''إذا اعطیتم فا غنو ا یعنی فی الصدقة'' اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی: ''ورجل أصابته جائحة احتا جت ماله مخلت له المسئله، حتی یصیب قو اما من عیش أو قال: سدادا من عیش'' سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (الفقہ الاسلامی صفحہ نمبر ۳۸۴، ۳۸۵/۱)۔

☆☆☆

زکوٰۃ سے سرمایہ کاری کے مسائل

مولانا سلطان احمد اصلاحی☆

۱-(الف) رقوم زکوٰۃ استثمار درست ہے ،اس رقم سے کارخانے ، فیکٹریاں وغیرہ قائم کی جاسکتی ہیں جن سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء ومساکین کو ملازم رکھ کران کو روزگار فراہم کیا جائے ،سوال نامہ میں دیئے گئے پس منظر کی روشنی میں یہ مسئلہ مزید توجہ کا طالب ہوجاتا ہے، البتہ توازن کا دھیان رکھا جائے ،امت کی سطح پر زکوٰۃ کا ایک حصہ ہی اس مد میں صرف ہو جس سے کہ مصارف زکوٰۃ کے فوری ضرورت کے دیگر تقاضے مجروح نہ ہوں۔

۲- اموال زکوٰۃ کے استثمار کے جواز کی دلیل میں سردست قرآن، حدیث اور تاریخ سے ایک ایک نظیریں پیش خدمت ہیں:

قرآن شریف میں یتیم کے مال کو بڑھانے کا حکم ہے۔

"ویسئلونک عن الیتامیٰ قل إصلاح لهم خیر" (بقرہ:۲۲)۔

(اور (اے نبیؐ) آپ سے لوگ یتیموں کے معاملے میں دریافت کرتے ہیں آپؐ کہہ دیجئے ان کے لئے افزائش اور بڑھوتری کا طریقہ بہتر ہے)۔

صاحب جلالین نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر کی ہے:

"(قل اصلاح لهم) فی أموالهم بتنمیتها و مداخلتکم (خیر) من ترک

☆ ڈائریکٹر ادارہ علم وادب، دودھ پور، علی گڑھ۔

ذلک"۔

(تمہارا یتیموں کے مال کو بڑھانا اور اس کے لئے تنوع کی تدبیریں کرنا اس کے برعکس کے معاملے میں بہتر ہے) (تفسیر الجلالین ر ۴۶، دار المعرفۃ بیروت طبع جدید، ۱۹۸۳ء مطابق ۱۴۰۳)۔

نبی ﷺ کی اس حدیث میں بھی یہی مضمون ہے جس کی روایت حضرت عمرو بن شعیب سے ان لفظوں میں ہے:

"إلا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه ولا يتركه حتى تأكله الصدقة"

(اچھی طرح سن لو جو کسی یتیم کا ذمہ دار ہو اور اس کا کوئی مال ہو تو چاہئے کہ وہ اس میں تجارت کرے (جس سے کہ وہ بڑھے) اور اسے یوں ہی نہ چھوڑے رکھے یہاں تک کہ زکوٰۃ میں نکل کر وہ بالکل ختم ہو جائے)۔

انہی راوی سے یہ روایت حضرت عمر بن الخطاب سے موقوفا بھی ہے (جامع ترمذی جلد ا، ابواب الزکوٰۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی الزکوٰۃ مال الیتیم۔ رشیدیہ دہلی)، اس کی سند میں کچھ کلام بھی ہے لیکن اس سے استدلال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تاریخ سے اس کے حق میں نظیر حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہؓ کی ماں ہند بنت عتبہؓ کی ہے۔ جنہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے ان کی خلافت کے زمانہ میں ان سے بیت المال سے تجارت کی غرض سے قرضہ کی درخواست کی، خلیفہ دوم نے انہیں اس شرط پر دینا منظور کیا کہ وہ نفع ونقصان ہر دو صورت میں اصل کی ضامن ہوں گی

"إن هند ا ابنة عتبة قامت إلى عمر بن الخطابؓ فاستقرضه من بيت المال اربعة آلاف درهم تتجر فيها و تضمها فأقرضها الخ" (طبری ۴ر۱۰۳ھ تاریخ الرسل والملوک ۲۲۱۴، طبع جدید، دار المعارف، مصر نیز ابن اثیر: الکامل فی التاریخ ۳ر ۳۳ دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۶ء مطابق ۱۴۰۶ھ)

دوسرے موقع پر اس کی صراحت ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ایسی تجارت پر نفع کا حصہ

نصف لیتے اور خسارہ کی صورت میں بھی قرض لینے والا اصل ضامن سمجھا جاتا (ماہانہ حجاب رام پور فاروق اعظم نمبر، ۱۶۴ مطبوعہ ۱۹۸۸ء میں جناب ڈاکٹر حمید احمد (پریس) کا مضمون)۔

یہ تینوں نظائر رقوم زکوٰۃ کے استثمار کے حق میں دلیل فراہم کرتے ہیں، بالخصوص آخری نظیر اس کے حق میں بہت صریح ہے، اس لئے کہ بالیقین بیت المال کا بڑا حصہ رقوم زکوٰۃ پر مشتمل ہوگا، اگر اس میں کوئی کراہت یا ممانعت کا پہلو ہوتا تو اس موقع پر حضرت فاروق اعظمؓ اس کی ضرور وضاحت کرتے کہ دی جانے والی رقم زکوٰۃ کی نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کی رقم کا کسی پیداواری کام میں لگانا جائز نہیں ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ہندوستان میں تنظیم زکوٰۃ کے چند مسائل مطبوعہ ماہانہ زندگی نو درج ذیل ہیں، ۲۰۰۰ء)۔

(ج) اپنی زوال پذیر صورتوں سے بچتے ہوئے عام حالات میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک بہتر ہے، صورت مسئولہ میں استحساناً بالواسطہ تملیک کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات اور دوکانیں تعمیر کرا کے صرف فقراء و مستحقین کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ان دوکانوں اور مکانوں کا ان کو مالک بنایا جانا ضروری ہے۔

۳۔ فقراء میں مال زکوٰۃ کا تقسیم کرنا ہی ضروری نہیں ہے، اس کی رقم سے ان کے لئے دوکانیں یا مکانات تعمیر کرا کے انہیں دے دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات یہ مندوب و مستحسن ہوگا۔

☆☆☆

زکاۃ کے نئے مسائل

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی ☆

۱- (الف، ب): چونکہ آج کل لوگ جس طرح زکاۃ دیتے ہیں اور وصول کرنے والے وصول کرتے ہیں اس سے زکاۃ کی افادیت تیزی کے ساتھ ختم ہوتی جارہی ہے، اس لئے زکاۃ کی رقوم کا استثمار درست ہونا چاہئے، تاکہ فقراء کو معاشی استحکام حاصل ہو اور ان کو دریوزہ گری اور کشکول گدائی لئے پھرنے سے بچایا جاسکے، نیز زکاۃ کی رقوم کو انتشار اور عدم افادیت اور بسا اوقات عدم ادائیگی سے (جبکہ یہ معلوم ہوجائے کہ زکاۃ کی رقم دراصل مستحق تک نہ پہنچ سکی) بچایا جاسکے، بنا بریں زکاۃ کی رقوم کا استثمار بندہ کے خیال میں اس شرط کے ساتھ درست ہونا چاہئے کہ جو لوگ فیکٹری وکارخانے قائم کرنے کی غرض سے زکاۃ وصول کرتے ہیں وہ انتہائی دیندار اور ملت کے بہی خواہ ہوں اور ان کی کمیٹی ہو جس کا رجسٹریشن ہو اور رجسٹریشن میں فقراء کا بھی نام دیا جائے۔

ج- بندہ کی ناقص رائے یہ ہے کہ رجسٹریشن میں فقراء کا نام دے دینے سے من وجہ تملیک ہوجائیگی۔

۲- صورت مسئولہ پر زکاۃ ادا نہ ہونی چاہئے، کیونکہ مکان ودوکان کا انہیں مالک نہیں بنایا گیا، بدون مالک بنائے صرف رہائش کے لئے دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

(آپ کے مسائل ۳/۴۰۶) پر اس طرح تحریر ہے: ''جو فلاحی ادارے زکاۃ کی رقم

☆ پرنسپل وشیخ الحدیث دار العلوم مئو، مئو (یوپی)۔

جمع کرتے ہیں وہ زکاۃ کی رقم کے مالک نہیں ہوتے ، بلکہ زکاۃ دہندگان کے وکیل اور نمائندے ہوتے ہیں، جب تک پیسہ ان کے پاس جمع رہے گا بدستور زکاۃ دہندگان کی ملک ہوگا اگر وہ صحیح مصرف میں خرچ کریں گے تو زکاۃ دہندگان کی زکاۃ ادا ہوگی، ورنہ نہیں۔

۳۔ اگر زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دے دی جائیں تو زکاۃ ادا ہو جانا چاہئے، ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی کتاب ''فقہ الزکاۃ'' کا ترجمہ مولانا شمس پیرزادہؒ نے کیا ہے اسکے صفحہ ۴۵۸ پر فٹ پاتھ پر رہنے والوں کے متعلق اس طرح تحریر ہے:

''ایسے لوگ ابناء سبیل ہونے کی بنا پر انہیں اتنا مال دیا جائے گا کہ ان کے مناسب حال رہائشی مکان کا انتظام ہو جائے اور ان کے فقراء ہونے کی بنا پر ان کی اتنی مدد کی جائے گی۔''

☆☆☆

اموال زکوٰۃ کا استثمار اور تملیک کی بعض صورتیں

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

(ا) الف۔ زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا تاکہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دیکر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے گا تو شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے، چنانچہ فقہ شافعی کی کتاب الاقناع (۱/ ۲۶۴) میں مذکور ہے:

"و يعطى فقير و مسكين كفاية عمر غالب يشريان بما يعطيانه عقاراً يستغلانه واللام أن يشترى له ذلک كما فی الغازی هذا فيمن لا يحسن الكسب بحرفة ولا تجارة، أما من يحسن الكسب بحرفة فيعطى ما يشترى به الاتها او ينجاره فيعطى ما يشترى به ما يحسن التجارة فيه ما يفي ربحه بكفايته غالباً"

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مقصد مذکور کے لئے زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار شرعاً جائز ہے۔

(ب)۔ اسباب جواز:

(۱) فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی۔

☆ استاذ حدیث مفتاح العلوم مئو۔

(۲) ان کو کام سے لگا دینا۔

(۳) تا کہ بھیک مانگنے کے عادی نہ ہوں۔

(۴) اسلام و مسلمانوں کو دنیا کی نگاہوں میں عزیز بنانا۔

(۵) مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی دور کرنے کی کوشش کرنا۔

(ج)۔ زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط یوں پوری ہوگی کہ مسلم تنظیم کو یا کوئی ایک دیندار شخص کو ان فقراء کا وکیل بنا دیا جائے وہ زکوٰۃ کی رقوم کو اپنے قبضہ میں لے کر ان فقراء کے لئے صورت مذکورہ کو انجام دے، چونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شرعاً متصور ہوتا ہے (دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۱/۱۷۱)۔

''درمختار علی ہامش الشامی'' میں ہے:

" وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أى للأداء، ولو كانت المقارنة حكما، كما ولو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم فى يد الفقراء أو نوى عندالدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلا نية أو دفعها لذمى ليدفعها؛ لأن المعتبر للفقراء جاز نيته الأمر" (۲/۱۱)۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں تملیک کی شرط پوری کرنے کے لئے کسی کو ان فقراء کا وکیل بنا دیا جائے تو یہ شرط پوری ہو جائے گی۔

۔زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے، بایں طور کہ ان کو مکانات یا دوکان کا مالک بنا دیا جائے تو جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

چنانچہ ''احسن الفتاویٰ'' میں ہے: ''اگر رقم مسکین کو نہ دی جائے، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے بلکہ کچھ حصہ دے دے جب تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے'' (احسن الفتاوی ر ۹۴)۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''ویأ مره أن يدفع إلى رجل مأتى درهم مصاعدا، وإن دفعه جاز كذا فى الهداية، هذا إذا لم يكن الفقير مديونا، فإن كان مديونافدفع إليه مقدار مالو قضى به دينه لا يبقى له شئ أو يقبى له دون المأتين لا بأس به، كذا لو كان معيلاً جاز أن يعطىٰ له مقدار مالو وزع على عياله يصيب كل واحد منهم دون المأتين كذا فى فتاوىٰ قاضيخان ''(۱/ ۱۸۸)۔

خلاصۂ کلام: زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو مالک بنا کر رہائش کے لئے یا تجارت کے لئے دیدیا جائے تو جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دی جائیں تو شرعاً جائز ہے اور اس میں شرعی قباحت فقراء کو بقدر نصاب دیئے جانے کی کراہت ہوسکتی تھی جس کو فقہاء رحمہم اللہ نے جائز کر دیا ہے، بایں طور کہ اگر رقم مسکین کو نہیں دی، بلکہ اس رقم سے مکانان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دے دے جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے۔

غرض یہ کہ صورت مسئولہ میں وہ تعمیر کردہ مکان فقراء کی ملکیت میں دے دینا جائز ہے

اور اس میں شرعی قباحت کو فقہاء رحمہم اللہ نے بطریق مذکور ختم کر کے جائز کر دیا ہے۔

خلاصۂ کلام:

یہ ہے کہ مقصد مذکور کے لئے زکوۃ کی رقوم کا استثمار شرعاً جائز ہے۔

نیز یہ کہ صورت مسئولہ میں تملیک کی شرط پوری کرنے کے لئے کسی کو ان فقراء کا وکیل بنایا جائے تو یہ شرط پوری ہو جائے گی۔

زکوۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو مالک بنا کر رہائش کے لئے یا تجارت کے لئے دے دیا جائے تو جائز ہے اور اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

☆☆☆

اموال زکوٰۃ کا استثمار-شرعی ضوابط کی روشنی میں

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ☆

زکوٰۃ اسلام کی ایک اہم ترین عبادت اور مقدس فریضہ ہے، جس کی فرضیت واہمیت کا علاج قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث کریمہ میں کیا گیا ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کا مقصد ایسے معاشرہ کی تشکیل ہے جس میں دولت وثروت چند اشخاص تک مرکوز نہ ہو اور اس پر چند افراد کا قبضہ نہ ہو، بلکہ غرباء ومساکین، اور ضرورت مندوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔

زکوٰۃ ایک مالی فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے ذریعہ صاحب دولت وثروت اپنے مال کی گندگی کو دور کرتا ہے، اور اسے بابرکت بناتا ہے اور زکوٰۃ کے ذریعہ غرباء ومساکین اور اصحاب حاجت کی ضرورت پوری کر کے رضاء الٰہی کا مستحق قرار پاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها" (سورۂ توبہ: ۱۰۳)۔

(لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس کی وجہ سے)۔

زکوٰۃ کے مصارف اور مستحق زکوٰۃ کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد باری ہے:

"إنما الصدقات للفقراء والمساكن والعٰملين عليها والمؤلفة قلوبهم، وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله، والله عليم حكيم"۔

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

(زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پھر جانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے)۔

''اس آیت کریمہ میں'' مصارف زکوٰۃ کا بیان'' **إنما الصدقات للفقراء**'' سے کیا گیا ہے 'انما' حصر کے لئے ہے، اور 'للفقراء' میں لام تملیک کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم بطور تملیک دینا ضروری ہے، بغیر تملیک کے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، اس لئے اگر کسی نے مصارف زکوٰۃ میں سے کسی مصرف میں بغیر تملیک یا غیر مصرف میں زکوٰۃ کی رقم دے دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، لہذا مال زکوٰۃ کو مذکورہ بالا آٹھ مصارف کے علاوہ مساجد، پلوں مدارس کی تعمیر، نہروں کی کھودائی، راستوں کی تعمیر و درستگی، مردوں کی تکفین وتجہیز، کارخانے اور فیکٹریوں کی تعمیر، قرضوں کی ادائیگی، اور وسائل جہاد کی تیاری میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ ان تمام صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے۔

۱-اموال زکوٰۃ کا استثمار

(الف) زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو زکوٰۃ کے مستحقین میں تقسیم کیا جائے، ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، اور اس طرح فیکٹریوں اور کارخانوں کی تعمیر سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعاً یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم کو تملیک کے طور پر مستحقین زکوٰۃ کو دیا جائے اور انہیں اموال زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے کہ وہ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں اور اس صورت میں'' تملیک مستحق'' مفقود ہے، لہذا زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

(ب) زکوٰۃ کے اموال کے استثمار کے ناجائز ہونے کے اسباب و وجوہ حسب

ذیل ہیں:

۱-اموالِ زکوٰۃ کے استثمار کی صورت میں مستحقین زکوٰۃ کو رقوم زکوٰۃ تملیک کے طور پر نہیں دی جاتی ہیں، بلکہ اصل رقم کو کارخانے میں لگا کر صرف اس کے نفع کو فقراء و مساکین پر تقسیم کیا جاتا ہے اور اصل رقم مستحقین کے حوالے نہیں کی جاتی ہے، قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں اور ''انما الصدقات للفقراء'' کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان مصارف میں تملیک کے طور پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے۔

۲-فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ وہ تمام صورتیں جن میں تملیک مستحق نہیں پائی جاتی ہے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، چنانچہ صاحب ''درمختار'' نے مصارف زکوٰۃ کے ذیل میں ذکر کیا ہے:

'' و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت و قضاء دينه''

اور اس عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر کیا ہے:

'' كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه'' (ردالمحتار ۲/ ۳۴۴، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۲۴۳، خلاصۃ الفتاوی ۱/ ۲۴۳، المغنی ۲/ ۶۶۷، الانصاف للمرداوی ۳/ ۲۱۶، حلیۃ العلماء ۳/ ۱۶۷)۔

فیکٹری اور کارخانے کی اموالِ زکوٰۃ کے ذریعہ تعمیر کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم فیکٹری اور کارخانے کی تعمیر پر صرف کردی جاتی ہے اور اس سے حاصل ہونے والے منافع فقراء پر تقسیم کئے جاتے ہیں، صاحب ''حلیۃ العلماء'' نے امام ابوحنیفہ سے اس کے عدم جواز کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وقال أبو حنيفة يجوز إخراج القيمة في ذلك، ولا يجوز إخراج المنافع'' (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہا ۳/ ۱۶۷)۔

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ کا حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کی رقم کو مستحقین کو بطور تملیک دیکر مالک بنانا ضروری ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہو رہی ہے۔

۲ر۳- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات اور دکانوں کی تعمیر:

اسی طرح یہ صورت بھی شرعاً جائز اور درست نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات و دکانوں کا مالک، نہ بنایا جائے، اس صورت میں بھی ''تملیک مستحق'' کے نہیں پائے جانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، البتہ اگر فقراء میں زکوٰۃ کا مال نقدی صورت میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں اور ان پر فقراء کا مکمل قبضہ و دخل کرادیا جائے تو اس صورت میں چونکہ تملیک پائی جارہی ہے، اس لئے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، لیکن یہ صورت بہتر نہیں ہے، کیونکہ مقدار نصاب زکوٰۃ یا اس سے زیادہ ایک فقیر کو زکوٰۃ کی رقم دینا خلاف اولیٰ ہے۔

درمختار میں ہے:

''وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر'' (درمختار مع الرد ۲ر۶۸)۔

☆☆☆

استثمار باموال زکوٰۃ کی شکلیں

مولانا محمد نعمت اللہ ناظم☆

استثمار زکوٰۃ کی شکلیں:

۱- زکوٰۃ کی رقم کسی مالدار کو دی جائے اور وہ اس سے فیکٹری وغیرہ قائم کر کے اس کے منافع کو غرباء اور دیگر مصارف زکوٰۃ میں تقسیم کرے۔

۲- زکوٰۃ کی رقم فقراء کے وکیل کو دے دی جائے اور وہ اس سے کارخانہ وغیرہ چلا کر اس کے منافع کو ان پر تقسیم کرے۔

۳- زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ کو دی جائے اور ان میں کوئی ایک سربراہ اور مینیجر بن کر کوئی تجارت یا فیکٹری قائم کر کے اس کے منافع کو ان پر خرچ کرے۔

احکام:

استثمار زکوٰۃ کی پہلی صورت جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا پایا جانا ضروری ہے۔

مسئلہ تملیک:

ادائیگی زکوٰۃ کی صحت کے لئے جمہور فقہاء کرام نے تملیک (مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مالک بنا دینا) کو شرط قرار دیا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"یشترط التملیک لصحۃ الآداء" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۷۵۲)۔

☆ ریسرچ اسکالر جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ

استثمار زکوۃ کی تین صورتیں ہیں:

۱-زکوۃ کی رقم کسی مالدار کو دی جائے اور وہ اس سے فیکٹری وغیرہ قائم کر کے اس کے منافع کو غرباء اور دیگر مستحقین زکوۃ پر تقسیم کرے تو یہ صورت درست نہیں، کیونکہ تملیک کی شرط نہیں پائی جا رہی ہے۔

۲-زکوۃ کی رقم فقراء کے وکیلوں کو دے دی جائے، خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو اور وہ اس سے کارخانہ وغیرہ چلا کر اس کے منافع کو ان پر تقسیم کرے تو یہ صورت جائز ہوگی، بشرطیکہ اس سے حاصل شدہ آمدنی انہیں فقراء کو دیدی جائے جن کی رقم سے فیکٹری کا قیام عمل میں آیا، ہاں اگر ان فقراء نے اگر اپنے مینیجر کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ اس سے حاصل شدہ آمدنی کو وہ جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں اس وکیل (مینیجر) کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ دوسرے غرباء کو بھی اس کی رقم دے۔

۳-زکوۃ کی رقم خود مستحقین زکوۃ کو دے دی جائے اور یہ لوگ بطور خود کسی کو اپنی رقم دے دیں اور وہ اس رقم کے ذریعہ کوئی فیکٹری لگائے تو یہ صورت بھی جائز ہوگی۔

جواب سوال (۲):

زکوۃ کی رقم سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو اس سے صرف نفع حاصل کرنے کے طریقہ پر دیا جائے اور انہیں اس کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں باتفاق فقہاء اربعہ زکوۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے جو یہاں نہیں پائی جا رہی ہے، بعض کتب فقہ میں تو اس طرح کا جزئیہ صراحۃً مذکور ہے کہ یہ صورت زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہے اور بعض میں اشارۃً تملیک کے رکن ہونے کے سبب اس کا پتہ چلتا ہے۔

فقہ حنفی کی کتب متداولہ میں اس صورت کے بارے میں صراحۃً عدم ادائیگی زکوۃ کا قول منقول ہے، چنانچہ "ردالمحتار" میں ہے:

"فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا للزكوة لا يجزى به" (ردالمحتار ۳/ ۱۷۳)۔

اور ''ردالمحتار'' میں ہی بطور قاعدہ یہ ہے:

'' ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً إباحةً''

اسی طرح دوسرے تمام فقہاء کرام نے مال زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لے تملیک کو شرط قرار دیا ہے، چنانچہ ''امداد الاحکام'' (جلد سوم / ۶۴) پر ''رحمۃ الامہ اختلاف الائمہ'' سے نقل کیا گیا ہے:

'' مال زکوٰۃ کو ایسے مواقع ہی پر صرف کرنا جن میں تملیک نہ ہو باتفاق ائمہ مذاہب و باجماع جملہ مجتہدین جائز نہیں ''رحمۃ الامہ'' میں ہے:

''واتفقوا على منع الإخراج لبناء مسجد او تكفين ميت'' (ایضا ۳/ ۲۹۱)۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ بنائے مسجد اور کفن میت میں صرف کرنا ممنوع ہے اور یہ اتفاق صرف ائمہ اربعہ کا ہی نہیں، بلکہ جملہ ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے، مثلاً اوزاعی، مکحول، سفیان ثوری، حسن بصریؒ وغیرھم، کیونکہ صاحب ''رحمۃ الائمہ'' نے اس کتاب میں اس کی تصریح کی ہے کہ جن مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اور کسی دوسرے کا اختلاف ہو تو میں مخالف کا قول بھی نقل کردوں گا تا کہ مسئلہ کا اختلافی ہونا معلوم ہو جائے اور یہاں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہے (رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ / ۴۵ ،۲، ۳)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام ہی فقہاء و مجتہدین کرام نے زکوٰۃ کی صحت ادائیگی کے لئے تملیک کو شرط قرار دیا ہے اور زکوٰۃ کی رقم سے مکانات تعمیر کر کے فقراء کو بغیر مالک بنائے ہوئے دینے میں تملیک کی شرط پائی نہیں جارہی ہے، اس لئے اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۳- زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر اس سے فقراء کے لئے دوکانیں یا مکانات تعمیر کرا کے ان کی ملکیت میں دے دیا جائے تو فقہ حنفی کے مطابق یہ مطلقاً جائز ہے، کتب فقہ حنفی میں یہ مسئلہ زکوٰۃ کی ادائیگی قیمت کے ذریعہ کے ضمن میں مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کے نئے مسائل

ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی

۱۔ مسلمانوں کی موجودہ مفلوک الحالی اور معاشی پس ماندگی کا فوری تدارک ہو، تا کہ غریب مسلمان باطل مذاہب اور افکار کے شکار نہ ہو جائیں، مستحقین زکوٰۃ کے لئے مستقل ذرائع پیدا کرنا درست ہے، صدقات اور زکوٰۃ کے رقوم کا استثمار قلیل ترین مدت میں ہو، تا کہ مستحقین کے درمیان منافع کی تقسیم بھی ہو اور ملازمت بھی مل جائے، مگر اس کاروبار میں شریک مستحقین زکوٰۃ کی اجرت عام مروج معیار سے بالاتر ہو۔

حصول زکوٰۃ کے کارندوں پر زکوٰۃ سے اجرت ادا کرنا شرعی مقررہ مدات میں شمار ہوتا ہے اور حصول زکوٰۃ پر انہیں اجرت دی جاتی ہے، زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور فقراء کی وقتی ضرورت بھی پوری ہو گی۔ زکوٰۃ کے مال سے تعمیر کردہ مکانات یا دوکانیں فقراء کی ملکیت میں اس وقت دیئے جا سکتے ہیں جب تک وہ صاحب نصاب کی حد تک نہ پہنچیں اور یہ تملیک اسی وقت تک ہو گی۔

۲۔ جس طرح غریب طلباء یا یتیم خانہ کے ذمہ داروں کو تعلیمی و تربیتی ضروریات کے انتظام کی اجازت دی جا سکتی ہے، اسی طرح فقراء کو رہائشی مکان یا دوکان دیئے جا سکتے ہیں اور جب ان کی بڑھوتری حد نصاب تک پہنچ جائے دوسرے مستحقین زکوٰۃ کو دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

۳۔ فقراء کو زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کردہ مکانات اور دوکانیں صرف صاحب نصاب کی حد تک رسائی ہونے تک ہی دیئے جائیں۔

☆☆☆

زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

نیاز احمد عبدالحمید طیب پوری ☆

۱-(الف) نہیں۔

(ب) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل تو جائز ہے، لیکن تاجیل درست نہیں، اور ضروری ہے کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد اسے مستحقین کے حوالہ کر دیا جائے، استثمار کی صورت میں زکوٰۃ کا مال روک لیا جاتا ہے اور مستحقین کے حوالے نہیں کیا جاتا ہے، صرف حاصل شدہ فائدہ ان کے حوالے کیا جاتا ہے، اگر ایسا کرنا ہے تو اسلامی بینکوں سے قرض لیکر کمپنی قائم کرنا جائز ہے، یا مالدار لوگ تعاون یا قرض دیں۔

(ج) ہماری سمجھ سے تملیک ضروری ہے اور زیر بحث صورت میں یہ شرط پوری نہیں ہوتی (تحفۃ الاحوذی شیخ الحدیث عبدالرحمٰن مبارک پوری ۴/ ۱۹۱، ۱۹۲ مکتبہ فہیم مئو)۔

۲-(الف): اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۳- ایسا کرنا صحیح ہے اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

☆☆☆

☆ استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ خیر العلوم ڈومریا گنج سدھارتھ نگر، یوپی۔

اموالِ زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

مولانا فضل الرحمٰن، حیدرآباد

دورِ حاضر کے مسلمان جن پریشان کن مراحل اور معاشی تنگی سے گزر رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں، چنانچہ وہ اپنی معاشی زندگی سے پریشان ہوکر اپنے دین وایمان کو چند پیسوں کی لالچ میں فروخت کررہے ہیں جس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا نظم کیا جائے جس کے ذریعہ مسلم معاشرہ کی غربت دور ہو اور وہ اپنے دین وایمان کی حفاظت کرسکیں اور جناب رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان: " كاد الفقر أن يكون كفراً" کا مصداق نہ بنیں، لیکن سوال اول وثانی میں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ تملیک پائی جائے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "وآتو الزكوٰة" اور" ایتاء" کہتے ہیں مالک بنا دینے کو (بدائع ۲/۱۴۲)۔

چنانچہ فقہاء کرام کی مختلف عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر تملیک نہیں پائی گئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے اگر کوئی شخص مسجدوں کی تعمیر، پلوں کی تعمیر اور میت کے کفن میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرتا ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ ان چیزوں میں تملیک کی کیفیت نہیں پائی جاتی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"وعلى هذا يخرج صرف الزكوٰة أى وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات وإصلاح القناطر و تكفين الموتىٰ ودفنهم أنه لا يجوز، لأنه لم يوجد التمليك اصلاً" (بدائع ۲/۱۴۲۔ بحر ۲/۲۲۴۔ ہندیہ ۱/۱۷۰ ادرمع الرد ۳/۲۱۱)۔

اسی طرح اگر زکوٰۃ کی رقم سے کھانا خرید کر فقراء کو بٹھا کر کھلاتا ہے تو تملیک نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (دیکھئے: بدائع ۲/ ۱۴۳ فتح القدیر ۲۰۸)۔

البتہ اس کے لئے ایک صورت مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی فقیر کو دوکان خرید کر اس کا مالک بنا دیا جائے تو اس صورت میں تملیک بھی ہو جائے گی اور شریعت کا جو مقصد ہے کہ انسان کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے وہ بھی پورا ہو جائے گا، کیونکہ زکوٰۃ کی کچھ رقم دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس کو کھا پی کر پھر دست سوال دراز کرتا ہے اور اگر کسی تجارت کا اس کو مالک بنا دیا جائے گا تو باری تعالیٰ سے توقع ہے کہ آئندہ یہ شخص بجائے سوال کرنے کے اعانت کرنے والا بن جائے گا اور کم سے کم سوال سے تو ضرور ہی بچ جائے گا۔

اور تیسرے سوال میں جو صورت مذکور ہے وہ صورت بہت ہی بہتر ہے، کیونکہ اصل تملیک ہے اور اس صورت میں تملیک پائی جارہی ہے، چنانچہ حضرت مفتی رشید صاحب (احسن الفتاویٰ جلد ۴/ ۳۰۰) پر تحریر فرماتے ہیں کہ کسی بھی فقیر و مسکین کو گھر یا دکان بنوا کر مالک بنا دینا بلا کراہت جائز ہے۔

اموال زکاۃ کا استثمار اور تملیک زکاۃ

مفتی عبدالرحیم قاسمی☆

۱- قرآن مجید میں عموماً زکاۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ''ایتاء'' کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ''ایتاء'' کے معنی عطا کرنے کے ہیں اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ''ایتاء'' کے لفظ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطا کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنادیا جائے اور علاوہ زکوۃ وصدقات کے بھی لفظ ''إيتاء'' قرآن کریم میں مالک بنا دینے کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکاۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجتمند کو اس کا مالک بنادیا جائے۔

کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کرنا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنادیا جائے، اسی طرح امام جصاص نے ''احکام القرآن'' میں فرمایا کہ لفظ ''صدقہ'' تملیک کا نام ہے، جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکاۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکاۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکاۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ کے دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدہ کے لئے خرچ کیا

☆ بانی ومہتمم خیر العلوم بھوپال۔

جائے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ زکوۃ کی رقم کو مساجد یا مدارس، یا شفا خانے، یتیم خانے کی تعمیر میں، یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر بچوں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوۃ صرف ہوسکتی ہے، اسی طرح شفا خانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے اس کی رقم زکوۃ میں محسوب ہوسکتی ہے، اسی طرح دینی مدارس کے غریب طلبہ کی خوراک پوشاک ہے، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام، جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوۃ کو بھی ہوتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی ''شرح مبسوط'' اور ''شرح سیر'' میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں (جواہر الفقہ)۔

مساجد و مدارس اسلامیہ اور غریبوں کے لئے شفا خانے وغیرہ بنانا مسلمانوں کے لئے بڑے ضروری اور اہم کام ہیں، ان میں خرچ کرنے کا اجر وثواب بھی عظیم ہے، مسلمانوں کو زکوۃ کے علاوہ ان کاموں کے لئے مستقل چندہ کرنا ضروری ہوگیا ہے، زکوۃ کی رقم بہر حال ان کاموں پر خرچ کرنا درست نہیں (جواہر الفقہ ۱۰۶/۲)۔

زکاۃ کا استثمار کرنے، یعنی زکاۃ کی رقوم سے کارخانے، فیکٹریاں قائم کرکے حاصل شدہ منافع کو غریبوں کے درمیان تقسیم کرنے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۲- کیونکہ کارخانے وفیکٹریاں قائم کرنے میں زکوۃ کی رقم لگادی گئی، مستحقین کو اس کا مالک نہیں بنایا گیا تو تملیک کی شرط نہیں پائی گئی۔ ''مبسوط'' میں ہے:

”والاصل فيه أن الواجب فيه فعل الايتاء في جزء من المال ولايحصل الايتاء إلا بالتمليك، فكل قربة خلت عن التمليك لا تجزئ عن الزكاة“ (مبسوط ۲/۲۰۲)۔

زکاۃ میں اصل واجب ایتاء ہے اور ایتا بغیر تملیک کے حاصل نہیں ہوتا، لہذا جو قربت تملیک سے خالی ہو اس میں خرچ کرنے سے زکوۃ کی ادائیگی کافی نہ ہوگی۔

اور زکاۃ کو مساجد، خانقاہوں، قلعوں، سبیلوں اور پلوں کی تعمیر میں اور مردوں کو کفن دینے اور ان کو دفن کرے میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ تملیک بالکل نہیں پائی گئی (بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

۲۔ زکوۃ کی رقم سے مکان یا دکان تعمیر کر کے تملیک کے بغیر غرباء کو دیا جائے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳۔ جن مستحقین زکوۃ کو رہائش کے لئے واقعی مکان کی ضرورت ہے ان کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، لیکن ایک ساتھ اتنی رقم نہ دی جائے کہ وہ گھر والوں پر تقسیم کی جائے تو وہ صاحب نصاب بن جائیں، وہ خود ہی مکان بنائیں یا اس کام کے لئے جو کمیٹی بنی ہو اس کو رقم حوالہ کردیں اور کمیٹی والے اپنی نگرانی میں مکانات بنوادیں (فتاوی رحیمیہ ۵/۱۶۱)۔

مکان یا دکان تعمیر کر کے مستحقین کو مالک بنادیا جائے تو اس کی گنجائش ہوگی۔

☆☆☆

زکوٰۃ کے مال کا استثمار

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری ☆

(الف) زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار آپ ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین، ائمہ اربعہ، جمہور علما وفقہاء عظام سے ثابت ومنقول نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دور حاضر میں دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، لیکن ان مجبوریوں کی آڑ لے کر زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے ،فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا تاکہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کردیا جائے ،شرعی نطقۂ نظر سے جائز نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانے ،فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے میں یہ خرابی اور دشواری مانع ہے کہ اس سے نفع حاصل ہونے کی صورت میں بجائے فقراء کے تعاون وامداد کے خود اقرباء پروری کے لوگ شکار بن کر رہ جائیں گے اور بالآخر فقراء کا استحصال ہوگا۔

مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کرکے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیا جائے اور انہیں مکانات یا دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس طریقے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ودر مختار وغیرہ)۔

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواره دربھنگہ۔

ہو بہو اسی طرح کے سوال کے جواب میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رقمطراز ہیں:

''زکوٰۃ تب ادا ہوتی ہے جب محتاج کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے اور زکوٰۃ دینے والے کا اس سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رہے آپ کے ذکر کردہ شرائط نامہ میں جو شرطیں ذکر کی گئیں ہیں وہ عاریت کی ہیں تملیک کی نہیں، لہذا ان شرائط کے ساتھ اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم سے فلیٹ بنا کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ کے ادا ہونے کی صورت یہی ہے کہ جن کو یہ فلیٹ دیئے جائیں ان کو مالک بنا کر دیا جائے اور ملکیت کے کاغذات سمیت ان کو مالکانہ حقوق دے دیئے جائیں کہ یہ لوگ ان فلیٹس میں جیسے چاہیں مالکانہ تصرف کریں اور جماعت کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ ہو، اگر ان کو مالکانہ حقوق نہ دیئے گئے تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اور ان پر لازم ہوگا کہ اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۸۹)۔

مستحق کو زکوٰۃ سے مکان بنا کر دینا اور واپسی کی توقع کرنا

اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رقمطراز ہیں:

''ایسے غریب اور نادار لوگ جو نصاب کے بقدر اثاثہ نہ رکھتے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اور اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنوا کر ان کو مکان کا مالک بنا دیا جائے، ایسے غریب و ناداروں سے رقم کی واپسی کی توقع رکھنا عبث ہے، اس لئے رضا کارانہ واپسی کا سوال خارج از بحث ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۴۰۰)۔

فقراء کو مکانات یا دوکانیں دیں جائیں مگر مالکانہ حقوق نہ دیئے جائیں، یا قرض دہندگان فقراء کے قرضوں کو معاف کردے، زکوٰۃ دہندگان اس رقوم سے مدارس اسلامیہ یا عصری یونیورسٹی، بینک، اسٹیڈیم، مارکیٹ، مساجد، پل، پانی کی ٹنکی، تالاب، نہر، راستوں کی درستگی وغیرہ کرادے یا بنادے، معلم علوم اسلامیہ یا معلم علوم عصریہ کو اس مد سے اس کی تنخواہ دے یا غنی طالب علم کو چاہئے وہ علوم اسلامیہ حاصل کر رہا ہو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں

ہوگی، زکوٰۃ دہندگان پر لازم ہوگا کہ وہ لوگ پھر سے اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں (بدائع الصنائع ۲/۳۹-۴۱)۔

ان مذکورہ دلائل کی روشنی میں میری ذاتی رائے عدم جواز ہے۔

مسکین کو مدز کوٰۃ سے مکان بنوا کر دینا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو شرعی نقطۂ نظر سے بلا شبہ جائز ہے اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت کا کوئی شائبہ نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ میں تملیک فقیر شرط ہے جو مکمل طور پر اس صورت میں تملیک فقیر پائی گئی، بایں طور یہ اقدام جائز ہے اور زکوٰۃ ادا ہوگئی (ردالمحتار ۲/۳)۔

ہو بہو اسی طرح کے سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں:

"اگر رقم مسکین کو نہیں دے، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دیدے جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے" (احسن الفتاوی ۴/۲۹۰، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

مسکین کو مدز کوٰۃ سے مکان یا دکان بنوا کر ان کی ملکیت میں دے دیا جائے، مسکین کی اجازت سے اس کا قرض مدز کوٰۃ سے ادا کر دیا جائے یا مسکین کے لڑکے کو دینی وعصری تعلیم پڑھا کر تعلیم یافتہ بنا دیا جائے، ہر صورت میں تملیک پائی جاتی ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، ان مذکورہ مدلائل کی روشنی میں میری ذاتی رائے جواز کی ہے۔

☆☆☆

رقوم زکوٰۃ کا استثمار اور مسئلہ تملیک

مولانا عطاء اللہ قاسمی☆

مدز کوٰۃ میں اس بات کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم اس طور پر خرچ کی جائیں کہ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک رکن ہے، تملیک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رقوم زکوٰۃ پر زکوٰۃ دہندگان کا بالواسطہ یا بلا واسطہ ہر طرح کا تعلق قطعی طور پر ختم ہو کر مستحقین زکوٰۃ کی نجی ملکیت ثابت ہو جائے، تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تصرف کر سکیں (بدائع الصنائع ۲۳۹)۔

صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:

" وقد أمر الله تعالیٰ الملاک بإیتاء الزکوٰۃ لقوله عزو جل وآتو الزکوٰۃ والایتاء هو التملیک"۔

(حق تعالیٰ نے ایتاء زکوٰۃ کا حکم دیا ہے فرمایا زکوٰۃ دو اور دینا مالک بنانا ہے)۔

اس لئے بغیر تملیک، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر رقوم زکوٰۃ مستحقین کی ملکیت میں دیئے بغیر مستحقین ہی پر خرچ کر دی گئیں تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

" إذا اشتری بالزکوٰۃ طعاماً فأطعم الفقراء غداء وعشاء ولم یدفع عین الطعام إلیهم لا یجوز لعدم التملیک "(۳۹/۲)۔

(رقوم زکوٰۃ سے غلہ خرید کر فقراء کو دینے کے بجائے صبح وشام کھلا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ کہ تملیک نہیں ہے)۔

☆ استاذ جامعہ امداد العلوم کوپا گنج، مئو۔

فقہی جزئیات میں یہاں تک صراحت ہے کہ اگر بنیت زکوٰۃ اپنا غلام آزاد کردے یا رقوم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کردے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، وجہ یہ ہے کہ تملیک نہیں ہے۔

تملیک کے سلسلہ میں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ رقوم زکوٰۃ پر فقراء و مستحقین کی انفرادی طور پر نجی ملکیت ثابت ہونی چاہئے، نہ کہ اجتماعی ملکیت۔

" والأصل أنه لا بد لأداء الزكاة من تمليك من هو مستحق لها" (التسہیل الضروری ۱/۱۳۱-۱۳۰)۔

(اصول یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کا مالک بننا ضروری ہے)۔

حاصل کلام یہ کہ: ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے۔

مستحق زکوٰۃ کی انفرادی اور نجی ملکیت ثابت ہونی چاہئے، ان چند تمہیدوں کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے:

۱-(الف) صورت مسئولہ شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں، کیونکہ کارخانے اور فیکٹریاں کسی کی ملک نہیں ہوں گی۔

(ب) اموال زکوٰۃ کا استثمار نا جائز ہے، کیونکہ اس سے رکن زکوٰۃ فوت ہو جائے گا۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری (بمعنی رکن) ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں یہ تملیک مفقود ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں مالک نہ بنایا جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

۳- اگر فقراء کو اموال زکوٰۃ سے تعمیر شدہ دکان اور مکانات کا مالک بنا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور ایسا کرنا جائز ہوگا، بشرطیکہ مکانات یا دکانوں کی مالیت مقدار نصاب کو نہ پہنچتی ہو۔

" وكره أبو حنيفة أن يعطى أحد من المساكين مقدار نصاب " (بدایۃ المجتہد ۱/۲۸۶)۔

(امام ابوحنیفہ نے ایک مسکین کو بقدر نصاب زکوٰۃ دینا مکروہ قرار دیا ہے)۔

اموالِ زکوٰۃ کا استثمار

مولانا محمد صادق مبارک پوری☆

۱-(الف)احقر کے خیال میں زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار درست نہیں ہے(مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۸)۔

(ب)اموال زکوٰۃ کا استثمار متعدد وجوہ سے جائز نہیں ہے۔

۱-استثمار کی صورت میں نفع کا ہونا کوئی یقینی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ نقصان ہو جائے رقم اصل زکوٰۃ سے کم ہو جائے تو پوری زکوٰۃ مستحق تک نہیں پہنچے گی۔

۲-احقر کے علم و مطالعہ میں رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور فقہائے متقدمینؒ کے دور میں زکوٰۃ کے استثمار کا تصور نہیں تھا۔اگر یہ طریقہ درست ہوتا تو ضروری اس کو اپنایا جاتا۔

(ج)زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

''درمختار'' میں ہے:

''فلو أسكن فقير ا داره سنة ناويا للزكوٰة لا يجزيه''(۲/ ۳ کذا فی طحاوی علی المراقی ۳۸۹)۔

۳- زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء وغیرہ کو ان کا مالک بنانے سے

☆ استاذ جامعہ احیاء العلوم مبارکپور، اعظم گڑھ

زکوۃ ادا ہو جائے گی (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳؍۴۰۰)۔

لیکن ایسا کرنا اچھا نہیں ہے، کیونکہ معلوم نہیں ہے کہ فقیر کو اس وقت کس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

☆☆☆

زکوٰۃ کے نئے مسائل

مولانا محمد یعقوب قاسمی☆

ا-الف-سوال میں مذکورہ صورت شرعاً درست نہیں، اس لئے کہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، حالانکہ ادائیگی زکوٰۃ کے واسطے تملیک شرط ہے۔

(ب) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک مفقود ہے اور اموال زکوٰۃ کا استثمار کسی بھی حالت میں شرعاً جائز نہیں۔

(ج) زکوٰۃ اور تمام صدقات واجبہ میں تملیک شرط ہے، یعنی کسی مستحق کی ملکیت میں دے دینا، نیز اباحت، یعنی مالک بنانے کے بجائے صرف استعمال کرنے کی اجازت دینا کافی نہیں، لہذا مکان یا دوکان بنا کر فقراء کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے، اس کے بغیر زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی، چنانچہ ''بحرالرائق'' میں ہے:

''ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال کا کسی فقیر مسلم کو مالک بنادینا اور وہ فقیر ہاشمی یا زکوٰۃ دینے والے کا آقا نہ ہو اور مالک بنانے والے کی منفعت اس زکوٰۃ کے مال سے بالکل ختم ہو، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے اور زکوٰۃ ادا کرو، اور زکوٰۃ کا دینا وہ مالک بنانا ہے، اور اس کی مراد یہ ہے کہ اپنے مال کے ایک حصہ کا مالک بنانا ہے، اور اس سے مراد مال کا چالیسواں حصہ ہے، یا وہ جزء ہے جو کہ چالیسواں حصہ کے قائم مقام ہو'' (کنزالدقائق مع بحرالرائق ۲/ ۲۰۱)۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو رہائش کے

☆ مفتی امداد العلوم زید پور۔

لئے یا تجارت کے لئے دے دی جائے اور انہیں اس کا مالک نہ بنایا جائے تو زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی۔

زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء و مساکین کی ملکیت میں دے دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں مکان کی ملکیت کا اعتبار ہوگا، نہ کہ اس کی تعمیر پر صرف شدہ رقم کا۔

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

مولانا نعیم اختر قاسمی☆

اسلام نے جہاں ایک طرف اس محتاج طبقہ کی ضروریات، انسانی ہمدردی کی بناء پر پوری کرنے کا واسطہ دیا ہے وہیں ان کو فقر وفاقہ کے دلدل سے نکالنے اور معاشی تحفظ فراہم کرنے کے لئے ان کے لئے ایک محفوظ فنڈ قائم کر کے اسے مستقل عبادت کا درجہ بھی دیا ہے، اس عبادت کے بجالانے پر دینوی واخروی کامیابی اور کوتاہی کی صورت میں دارین کی ناکامی اور سزا وعقاب سے ڈرایا ہے۔

مال ودولت کی یہ قدرتی تقسیم ایسی ہے کہ اگر مال دار لوگ اپنے مال کی باضابطہ زکوۃ نکال کر مصرف میں اسے صحیح طور پر خرچ کریں تو پچھڑے طبقہ کا کوئی فرد شاید اس سے محروم نہ رہے ،جیسا کہ اس کے متعلق حدیث شاہد ہے:

"إن الله فرض على الأغنياء فى أموالهم بقدر ما يكفى فقراء هم، وإن جاعوا وعروا وجهدوا فمنع الأغنياء وحق على الله أن يحاسبهم يوم القيامة ويعذبهم عليه" (کنز العمال ۳/۳۳۰)۔

۱ـ (اللہ نے اہل دولت پر جو زکوۃ فرض کی ہے وہ اتنی مقدار ہے کہ فقراء کے لئے کافی ہو جائے اگر یہ بھوکے، بے لباس اور پریشان رہیں تو یہ اغنیاء کے فریضۂ زکوۃ ادا نہ کرنے کی وجہ

☆ استاذ مدرسہ امداد العلوم کوپاگنج، ضلع مئو(یوپی)۔

سے ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ قیامت کے دن ان کا محاسبہ کریں اور ان کو اس پر عذاب دیں)۔

اور دنیا نے خلافت راشدہ کا وہ زریں عہد بھی دیکھا ہے کہ ایک شخص زکوٰۃ کی رقم لے کر مستحق کو تلاش کرتا پھرتا، مگر وہ ناکام ہو کر واپس آتا۔

خلافت اسلامی کے زوال کے بعد نہ بیت المال رہا اور نہ زکوٰۃ کا اجتماعی نظام، ہندوستان جہاں ایک اندازہ کے مطابق ہر سال تقریباً پانچ سو کروڑ روپے کی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے ،لیکن اس کے اجتماعی نظام کے فقدان اور اس کی بے ضابطہ تقسیم کی وجہ سے اس کا خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہیں ہو رہا ہے، آج بھی غریب طبقہ اپنی حالت پر برقرار ہے۔

ایسی صورت میں مسئلہ مالِ زکوٰۃ کے استثمار کا نہیں جس کی بناء پر ہم اپنی قوم سے غربت وافلاس کو دور کر سکیں ، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ

اولاً: زکوٰۃ کی حقیقت، اس کے دینے کے اجر و ثواب اور نہ دینے کی سزا وعقاب کو لوگوں کے ذہنوں میں جا گزیں کر کے زکوٰۃ ادا کرنے کا پورے ملک اور پورے معاشرہ میں ماحول پیدا کیا جائے، تاکہ جو لوگ سرے سے زکوٰۃ ہی نہیں نکالتے یا اگر نکالتے ہیں تو صرف اندازہ کر کے ادا کر دیتے ہیں وہ باضابطہ طور پر زکوٰۃ نکالیں۔

ثانیاً: زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے قیام کی جانب پیش قدمی کی جائے تاکہ سارے مستحقین کی رعایت کے ساتھ مالِ زکوٰۃ کی تقسیم عمل میں آسکے، امید کہ ان شاء اللہ اس سے زکوٰۃ کی برکات کھلی آنکھوں نظر آنے لگے گی۔

مال زکوٰۃ کے استثمار کا مقصد، خواہ بظاہر کتنا ہی خوشنما اور دلکش کیوں نہ ہو بہت سی قباحتوں کو ہے۔

(۱) اس کے اندر مال زکوٰۃ کی تملیک نہیں ہو پاتی، جبکہ فقہاء زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کو لازمی شرط قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسے کارخانوں اور فیکٹریوں میں نفع ہونے کی ضمانت اور گارنٹی نہیں دی جاسکتی، نقصان ہونے کی صورت میں مستحقین کی حق تلفی ہوگی۔

(۳) سابقہ زمانہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لئے تملیک ضروری ہے،اس کی رو سے ہر وہ صورت درست ہوگی جس میں تملیک پائی جائے اور وہ صورت درست نہ ہوگی جس میں تملیک نہ پائی جائے۔

جیسے پلوں،نہروں کی تعمیر اور راستوں کی اصلاح کے لئے خرچ کرنا،زکوٰۃ کا مقصود فقراء کی ضروریات کی تکمیل ہے،لہذا اس کی حالت پر نظر کرتے ہوئے جو اس کے حق میں زیادہ مفید ہو وہ دینا بہتر ہے،خواہ نقد مال ادا کرے یا اس سے دوکان یا مکان خرید کر اس کی ملکیت میں دے۔

استثمار باموال زکوٰۃ کا شرعی جواز

مولانا شوکت صبا

اسلام میں ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا اوران کی ہر ممکن امداد کرنا نہایت ہی اچھی بات ہے، بلکہ انسانیت کے ناطے لازم وضروری ہے، فقیروں اور بے روزگار غریبوں کے لئے روزگار فراہم کرنا اور اس کے لئے مختلف قسم کی اسکیموں کا قیام نہایت ہی ضرورت اور وقت کا اہم تقاضہ ہے، خصوصاً ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کی مالی حالت کافی خستہ اور معیشت تباہ و برباد ہو چکی ہے اور اسلام و مسلمان کے دشمن مسلمانوں کی مفلوک الحالی، معاشی پسماندگی اور اقتصادی بدحالی سے فائدہ اٹھا کر ان غریب اور بھولے بھالے مسلمانوں کے ایمان اور عقیدے پر ڈاکہ ڈالے رہے ہیں، ان حالات میں ان کو فقر و فاقہ اور اندیشہ ارتداد سے بچانے کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کرنا کہ جس سے یہ مقاصد بخوبی حاصل ہو سکیں بہت بہتر اقدام ہے، لیکن اس کے لئے غیر شرعی طریقے اختیار کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں مل سکتی، چنانچہ اس مقصد کے لئے رقوم زکوٰۃ کا استثمار بایں طور کہ اس مقصد کے ما حصول کے لئے زکاۃ کی رقم سے فیکٹریاں وغیرہ قائم کی جائیں، اور اس کے منافع کو فقراء پر تقسیم کیا جائے اور ملازمت بھی انہیں کو دی جائے درست معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ اللہ تعالی نے مصارف زکوٰۃ کو اصناف ثمانیہ میں محدود کر دیا (سورۂ توبہ: ۶۰)، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لئے تملیک، یعنی فقراء کو مالک بنانے کی شرط ضروری قرار دی گئی ہے، لہذا بلا تملیک کارخانے وغیرہ قائم کرنا درست نہیں ہوگا اگر چہ فقراء و مساکین ہی کے لئے کیوں نہ ہو، البتہ ان رقوم زکوٰۃ کا فقراء کو

مالک بنادیا جائے اور پھران کی اجازت اور رضامندی سے فیکٹریاں وغیرہ قائم کی جائے اوراس کے لئے ایسا مستحکم نظام قائم کیا جائے کہ اس کا نفع مستمر ہو اوراس کے منافع اور اصل دونوں فقراء ہی کے لئے ہوں تو یہ شکل بلاشبہ جائز ودرست ہوگی۔

دوسری شکل یہ ہوسکتی ہے کہ فقراء کی طرف سے بطور وکالت رقوم زکوٰۃ پر قبضہ کرکے کارخانے وغیرہ قائم کئے جائیں اوراس کی آمدنی ان فقراء اور مساکین پر حسب ضرورت خرچ کی جائے جس کی وجہ سے وہ حضرات فقر وفاقہ کے دلدل سے نکل جائیں اور خطرہ ارتداد بھی ان سے ٹل جائے اور شریعت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کی جو بنیادی شرط ہے اس کی بھی رعایت ہوجائے، یہ دونوں طریقے اس مقصد کے حصول کے لئے موثر ہوسکتے ہیں۔

لہذا مطلقاً اموالِ زکوٰۃ کا استثمار درست نہیں ہوگا، کیونکہ اگر مطلق اس کی اجازت دے دی جائے تو اس میں غت ربود ہوگا اور بجائے اس کے کہ یہ فقراء کے فقر وفاقہ اور حاجت مندوں کی حاجت روائی ہونے کا سبب بنے، مزید ان کے نقصانات کے باعث بن سکتے ہیں۔

دیانت کے اس فقدان اور مادی دور میں، جبکہ عام انسان دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے، اس بہانے کتنی فیکٹریاں اور کارخانوں کا قیام اور اموال زکوٰۃ میں دھاندھلیاں شروع ہوجائیں گی اور جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہوجائے گا یا اس کے حصول میں کافی کمی آجائے گی، علاوہ ازیں زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک جو بنیادی شرط ہے اموال زکوٰۃ سے کارخانے اور فیکٹریاں محض اس مقصد کے لئے کہ اس کے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کی جائے گی، قائم کرنے سے حاصل نہیں ہوگا۔

چنانچہ کتب حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا شرط ہونا بالکل واضح ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین تحریر کرتے ہیں:

”(قوله نحو مسجد) كبناء القنا طير والسقايات وإصلاح الطرقات

وکری الأنهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه "(ردالمحتار ۲/ ۶۳)۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

" ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة "(حوالہ مذکور باب الصرف)۔

اور علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

" الزکوٰة لا تتأدی إلا بتملیک عین متقومة"(البحر الرائق ۲/ ۲۵۱)۔

علامہ ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

" لا یجوز صرف الزکوٰة إلی غیر من ذکر الله تعالی من بناء المسجد والقناطیر والسقایات وإصلاح الطرقات ــــــ وأشباه ذالک من القرب التی لم یذکرها الله تعالی"(المغنی مع الشرح الکبیر ۲/ ۵۲۸)۔

اور علامہ نووی رقم فرماتے ہیں:

" ویجب صرف جمیع الصدقات إلی ثمانیة أصناف وهم الفقراء والمساکین والعاملون علیها إلی الآخر"(المجموع شرح المہذب ۶/ ۱۷۳)۔

فقہاء کرام کی مذکورہ بالا عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک بنیادی شرط ہے، لہذا تملیک پائی جائے گی جب ہی زکوۃ درست ہوگی، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص زکوۃ کی نیت سے ایک فقیر کو سال بھر اپنے گھر میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دیدے تو اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، اس لئے کہ زکوۃ کی ادائیگی کا تعلق عین متقوم کی تملیک سے ہوتا ہے، نہ کہ اس کی منفعت سے اور یہاں پر فقیر نے عین سے نہیں، بلکہ اس منافع سے فائدہ حاصل کیا، اور اسی کا مالک رہا ہے، اس لئے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

اس لئے زکوۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مستقل مالک نہ بنایا جائے تو تملیک نہ پائے جانے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳۔ فقراء اور مساکین کو مختلف اوقات میں مختلف قسم کی ضرورتیں درپیش ہوتی ہیں، اس لئے ان کو ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کے مطابق ان کی ضرورت کی تکمیل نہایت ہی موزوں اور مناسب ہے، اب اگر فقیروں کو مکان ودوکان کی ضرورت ہو اور رقوم زکوٰۃ نقد دینے کے بجائے ان رقوم سے مکان ودوکان بنادی جائے اور پھر ان کو مستقل طور پر اس کا مالک بنادیا جائے تو یہ بہت ہی بہتر ہے، اور ایک غریب ومحتاج کی اہم ضرورت کی تکمیل ہے جو یقیناً اس کے لئے بڑا مفید ہوگا اور وہ فقراء ایک بہت بڑی مشکل سے نجات پالیں گے، حاصل یہ ہے کہ حالات کو دیکھ کر فقراء کی مختلف طریقوں سے مدد کی جائے تو زیادہ بہتر اور موثر ہوگا۔

☆☆☆

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری کا شرعی حکم

مولانا فلاح الدین قاسمی

مذکورہ صورت میں اگر زکاۃ کے رقوم کا استثمار جو فقراء یا ان کے نائبین کریں تو استثمار جائز و درست ہے، اور اس صورت میں تملیک کی شرط بھی پوری ہو جا رہی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ زکاۃ کی رقوم اولا فقراء کو دی جائے پھر وہ لوگ خود یا اپنا نائب بنا کر کارخانے اور فیکٹریاں تعمیر کرنے پر صرف کریں اور اگر مزکین خود مستثمر ہوں تو بھی صحیح ہے مگر زکاۃ ابھی ادا نہیں ہو گی، اس لئے کہ ادائیگی زکاۃ کے لئے تملیک شرط ہے جو صرف کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنے سے پوری نہیں ہوگی، البتہ جب اس سے حاصل شدہ منافع کو فقراء کے مابین بنیت زکاۃ تقسیم کریں گے تو بقدر تقسیم زکاۃ ادا ہوتی جائے گی، البتہ ادا زکاۃ میں تاخیر ہوگی، مگر بعض حنفیہ کے نزدیک اداء میں تاخیر کی گنجائش ہے، بلکہ علامہ کاسانی نے عام مشائخ کا یہی مذہب نقل کیا ہے،

دوسرا سوال یہ ہے کہ، زکاۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کرکے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں مکانات، دکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

ادائیگی زکاۃ کے لئے تملیک شرط ہے، اور تملیک منفعت کی بھی ہو سکتی ہے، جیسے اجارہ، اور تملیک عین کی بھی ہو سکتی ہے، جیسے بیع و شراء۔

فقہا کی صراحت یہ ہے کہ ادائیگی زکاۃ کے لئے عین متقوم ہی کا مالک بنانا ضروری ہے، منفعت کی تملیک سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، لہذا اگر کوئی شخص بنیت زکاۃ چند دنوں کے لئے کسی

فقیر کو مکان صرف رہنے کے لئے دے اور اس کا مالک نہ بنائے تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ یہ تملیک منفعت ہے اور منفعت متقوم نہیں ہوتی، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے "الکشف الکبیر" کے حوالہ سے "البحر الرائق" میں تحریر فرمایا ہے:

"الزکاۃ لا تتأدی إلا بتملیک عین متقوم حتی لو أسکن الفقیر داره سنة بنیة الزکاۃ لا یجزئه، لأن المنفعت لیست بعین متقوم" (البحر الرائق ۲/ ۳۵۳)۔

بلکہ ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، وشافعی، واحمد بن حنبل رحمھم اللہ کے نزدیک تو اسی عین سے زکاۃ نکالنا ضروری ہے جس میں زکاۃ واجب ہوئی ہے، قیمت ادا کرنا جائز ہی نہیں ہے، جیسا کہ "المجموع" میں ہے:

"وقد ذکرنا أن مذھبنا أنه لا یجوز إخراج القیمة فی شیء من الزکوات، وبه قال مالک أحمد" (المجموع ۵/ ۴۲۵)۔

لہذا ان کے نزدیک تو بدرجہ اولی عین متقوم کی ہی تملیک ضروری ہے، کیونکہ زکاۃ عین متقوم پر ہی واجب ہوتی ہے اور عین متقوم ہی کی تملیک اس لئے ضروری ہے کہ مالدار پر زکاۃ لازم کرنے کی ایک حکمت فقراء کی حاجت روائی بھی ہے اور اس حکمت کی تکمیل تب ہی ہو سکتی ہے، جبکہ بحسب امکان عین اموال کو امراء اور فقراء کے مابین مشترک رکھا جائے اور امراء کی طرح فقراء بھی مال اور عین کے مالک ہوں، تاکہ ان کی طرح یہ بھی ہر طرح کا تصرف کر سکیں اور اپنی تمام ضروریات پوری کر سکیں۔

اب آخری سوال یہ ہے کہ

فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟۔

اس بارے میں عرض ہے کہ:

ماقبل میں یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ تملیک کے بغیر زکاۃ ادا نہیں ہوگی، نیز دوسرے کے

مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں ،لہذا اگر زکاۃ کی رقم سے خود مزکی مکانات یادکانیں تعمیر کر کے بنیت زکاۃ فقراء کی ملکیت میں دے دیتا ہے تو یہ جائز ہے،اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک خلاف جنس سے زکاۃ ادا کرنا جائز ہے،البتہ خلاف جنس کی صورت میں چونکہ قیمت کا اعتبار ہوتا ہے،اس لئے مکانات یادکانوں کی جتنی قیمت ہوگی اسی قدر زکاۃ ادا ہوگی ،چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وأجمع أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة ـــــ فإن أدالقيمة وقعت عن القدر المستحق"(شامی کتاب الزکوۃ)۔

کیونکہ اصل مال زکاۃ یہ مکانات اور دکانیں ہیں ،نہ کہ وہ رقوم جس سے یہ چیزیں تعمیر کرائی گئی ہیں،اور اگر مزکی نے زکاۃ کی رقم فقیر کو دینے کے لئے کسی کو دیا ہے تو فقیر کو دینے سے پہلے اس کے لئے مکانات یادوکانیں تعمیر کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے۔

استثمار باموال زکوٰۃ

حکیم ظل الرحمٰن، دہلی

ا-(الف) زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرنا کہ ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کران کے لئے روزگار فراہم کردیا جائے، شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

(الف) قطعاً نہیں، کیونکہ:

(ب) دلائل:

زکوٰۃ کی ادائیگی میں مستحق زکوٰۃ کا فوری ملکیت قبضہ اور حق تصرف ضروری ہے، جو اسے حاصل نہیں ہوگا۔ کارخانے، فیکٹریوں اور کاروبار میں نقصان کا بھی امکان ہے، اس طرح زکوٰۃ کی رقم ضائع ہوسکتی ہے۔

زکوٰۃ کی اصل رقم ہمیشہ کاروبار کے اصل سرمایہ کے طور پر کاروبار میں مشغول رہے گی اور ملازمین کو اجرت کاروبار کے منافع سے ادا ہوگی زکوٰۃ کی رقم سے نہیں، یوں بھی اجرت زکوٰۃ سے نہیں دی جاسکتی۔

کاروبار کا نظام وانصرام بالعموم صاحب نصاب لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا، کیونکہ انتظامی لحاظ سے وہی لوگ کاروبار کے اہل ہوتے ہیں، اس طرح اصل رقم زکوٰۃ صاحب نصاب لوگوں کے قبضہ اور تصرف میں ہی شمار ہوگی۔

یہ بھی ممکن نہیں ہے، صرف مستحقین زکوٰۃ ہی اس میں ملازم رکھے جائیں، کیونکہ بالعموم غرباء بہت سے کاروباری اور تکنیکی اہلیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔

☆ کاروبار کا منافع، سرمایہ، محنت، منتظمین کا حوصلہ اور آلات و عمارت کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس میں:

☆ سرمایہ کا حصہ علیحدہ نکالنا ہوتا ہے جس میں سے ٹیکسیز ادا کئے جاتے ہیں۔

☆ محنت کا حصہ ملازمین کی اجرت، تنخواہوں کے تناسب سے بونس، پراویڈنٹ، پینشن فنڈ، مستقبل کے لئے گریچوٹی فنڈ وغیرہ ہوتا ہے۔

آلات کے لئے حسب قواعد انکم ٹیکس Depriciation fund نکال کر محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔

ان سب کے بعد منافع بچے گا وہ درج ذیل طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

مستقبل کے کاروبار میں مزید سرمایہ کاری کی ضرورت کے لحاظ سے Capital Reserve Fund

مستقبل کے امکانی نقصان سے بچنے کے لئے سرمایہ محفوظ، اب سوال ہوگا کہ باقی رقم کس طرح تقسیم کی جائے جو صرف زکوٰۃ ہی کی رقم کا نتیجہ نہیں۔

صرف مستحقین زکوٰۃ کو ادا نہیں کی جاسکتی، دوسرے ملازمین بھی دعوے دار ہوں گے۔

مستحقین کو اس لئے نہیں دی جاسکتی کہ یہ اصل زکوٰۃ کی رقم نہیں ہے۔

اس لئے زکوٰۃ کی رقم سے کوئی کاروبار کرنا جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نیز یہ زکوۃ کی ادائیگی میں کہ تملیک ضروری ہے، اور مندرجہ بالا صورت میں تملیک کا شائبہ بھی نہیں ہے اس کی صرف ایک صورت ہے کہ:

آپ ایک کاروباری لمیٹڈ کمپنی قائم کریں، مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ ادا کر کے اس کمپنی کے حصص خریدنے کی ترغیب دیں اور جو حضرات اپنی خوشی سے اس کے حصص خریدیں ان کو اس

کمپنی میں حسب تناسب حصص حق ملکیت حاصل ہو اور انتظامی امور میں بھی ان کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق ہو اور وہ اس کے منافع کے حسب تناسب حق دار ہوں، لیکن یہ ترغیب مستحقین اور غیر مستحقین دونوں کے لئے عام ہوگی۔

سوال (۲) زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں دکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب ہرگز نہیں، کیونکہ اس طریقہ میں تملیک اور خود مختارانہ اختیار تصرف اسے حاصل نہیں ہوا، اس لئے قبضہ کے باوجود تملیک شمار نہیں ہوگی، دلائل کے لئے تمہیدی حصہ ملاحظہ فرمائیں:

سوال (۳) فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے دکانیں یا مکانات تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ:

یہ اختیار مستحق زکوٰۃ کا تھا کہ زکوٰۃ کی رقم کو اپنی کس ضرورت پر خرچ کرتے، ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت رہائش سے بھی مقدم ہو، مثلاً رہائش تو اس کی آج بھی کسی نہ کسی طرح کی موجود ہے، لیکن اسے فوری طور پر بیٹی کی شادی کرنی ہے یا گھر میں بچوں کے کھانے پینے کا سامان مہیا کرنا ہے وغیرہ جیسی ضرورتیں اس کے لئے رہائش سے زیادہ ضروری ہوں اور اگر اسے زکوٰۃ کی رقم پر قبضہ خود اختیارانہ تصرف حاصل ہوتا تو وہ ان حالات میں سے کسی پر خرچ کرنا ضروری سمجھتا بہر کیف اس طریقہ پر تملیک نہیں ہوئی۔

☆☆☆

اموالِ زکوٰۃ کا استثمار

مولانا تنویر عالم، قاسمی ☆

۱- (الف، ب، ج) زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد سے کارخانے فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے شرعاً صحیح اور درست نہیں، کیونکہ زیر بحث مسئلہ میں تملیک جو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے رکن ہے، مفقود ہے، اموال زکوٰۃ سے استثمار کے ناجائز ہونے کے دلائل اور اسباب و وجوہ میں سے ایک دلیل اور وجہ فقدان تملیک کا پایا جانا ہے، باقی اور دلائل و اسباب کیا ہیں مجھے اس کا پتہ نہیں مل سکا۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے وقتی طور پر دے دیا جائے اور انہیں مکانات یا دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ یہاں پر صرف تملیک منفعت ہے، تملیک عین نہیں، جبکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک عین لازم وضروری ہے۔

"شرعاً تملیک خرج الإباحة جزء مال، خرج المنفعة فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا للزكوة لا يجزئه" (درمختار ۲/۲-۳)۔

۳- فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس صورت میں کوئی شرعی قباحت نہیں، کیونکہ یہاں پر تملیک عین متحقق ہے۔

☆ استاذ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی، بہار۔

ایک رائے: یہ امر واقعی ہے کہ قادیانی اور کرسچین مشنریاں روپے کی بارش کر کے غریب و بدحال مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ پر ڈاکے ڈال رہی ہیں، ہم سبھوں کا ملی واخلاقی فریضہ ہوگا کہ ایسے پرخطر اور سنگین حالات سے نپٹنے یا بچانے کے لئے مضبوط اور ٹھوس تدبیر اختیار کریں جس سے ہمارا ایمان وعقیدہ محفوظ اور سلامت رہ سکے۔

ضرورت ہے کہ ان مفلوک الحال اور مصیبت زدہ غریب مسلمان کی غربت کو ختم کرنے کی اجتماعی کوشش عمل میں لائی جائے اور ان کو اقتصادی اعتبار سے اوپر اٹھایا جائے، اس مقصد کے لئے اموالِ زکوۃ سے کارخانے وغیرہ کا قیام شرعاً درست نہیں جس کی وجہ اوپر گزر چکی۔

ہاں البتہ میرے ذہن میں ایک صورت آرہی ہے کہ دیہات کے علاوہ ہر شہر میں اچھی خاصی جائیداد اور پراپرٹی اموال اوقاف کی موجود ہے وہ جائداد کتنی ضائع ہو چکی اور کتنی ضائع ہونے کے دہانے پر ہے، متولیوں اور خاص طور پر حکومت کی بدنیتی کا شکار ہے خاص طور پر دہلی میں محکمۂ آثار قدیمہ نے تو مسلمانوں کی ملی جائیداد کو برباد کر دیا، تاریخی مساجد کے تحت بڑے بڑے قطعات اراضی وقف ہیں جس کا حاصل کرنا اور اسے بارآور کرنا ہمارا ایمانی و دینی تقاضہ ہے اسی جائیداد سے فکٹریاں، کارخانے لگائے جائیں اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر روزگار فراہم کیا جائے اور اس کی آمدنی سے مسجد کی بھی حفاظت ہو اور بقیہ زائد آمدنی سے مفلس وغریب کی اقتصادی اصلاح بھی کیا جائے۔

☆☆☆

اموال زکوۃ کا استثمار

مولانا مجیب الرحمٰن محمودی قاسمی

۱- زکاۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں کتاب وسنت اور فقہاء کی بیان کردہ عبارت ''الایتاء هو التمليک'' سے واضح ہے کہ استثمار جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں تملیک (جو کہ ادائیگی زکوۃ کے لے رکن اول کی حیثیت رکھتی ہے) نہیں ہو سکے گی، جب کہ تملیک کے ضروری ہونے پر قریب قریب ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، جیسا کہ مذاہب اربعہ کی کتابوں کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے، اور قیاس سے بھی اس کی کھلی تائید ہوتی ہے

(الف) زکاۃ کی رقم چونکہ واجب التملیک ہے، اس لئے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا شرعی نقطۂ نظر سے نہ درست ہے اور نہ درست ہونا چاہئے، جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور تملیک کی بحثوں سے اندازہ ہوتا ہے

۲- زکاۃ کے مال سے رہائشی مکانات، یا دکانیں وغیرہ بنا کر فقراء ومساکین کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دینے کی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی کا اصل رکن تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، اس لئے اس صورت میں بھی زکاۃ ادا نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ۲/ ۱۴۳)۔

مگر ضرورت وحاجت (جو کہ خود ایک حجت شرعی ہے) اور مصلحت کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں بندہ کی ناقص رائے یہ ہے کہ سوال میں مذکورہ دونوں مصارف پر اموال زکوۃ کو صرف کرنے کے لئے وہ حیلہ اختیار کیا جائے جسے علامہ حصکفی

نے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ زکاۃ کی رقم فقراء پر صدقہ کر دیا جائے اور ان سے کہا جاوے کہ وہ خود ہی ان کاموں (مثلاً فیکٹری مکانات وغیرہ) میں صرف کر دیں تو یہ بہتر ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے چنانچہ وہ اپنی مایہ ناز تصنیف ''درمختار'' میں لکھتے ہیں: ''الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الاشیاء ''یا چند فقراء سے یہ کہہ دیا جائے کہ تم لوگ اتنی رقم کسی سے قرض لاؤ تم لوگوں کا قرض ادا کر دیا جائے گا اور پھر انہیں زکوۃ کی رقوم کا مالک بنا دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ جاؤ قرض خواہ کے قرض ادا کر دو، یا پھر ان فقراء کی اجازت سے خود ہی ادا کر دیں تو اس طرح سے فیکٹری وغیرہ بنائی جا سکتی ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہ ہوگی اور اس سے فائدہ بھی زیادہ ہوگا، لہٰذا مستحقین زکوۃ کو چاہئے کہ وہ مذکورہ حیلوں پر عمل کریں تاکہ زکوۃ دہندگان کی زکوۃ بھی ادا ہو جائے اور انکی معاشی حالت بھی درست ہو جائے۔

۳۔ جیسا کہ سابقہ تحریر سے معلوم ہوا کہ فقراء کو اموال زکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، اب خواہ عین رقم کا مالک بنایا جائے، یا اس رقم سے کوئی چیز خرید کر یا کوئی عمارت بنا کر ان کے حوالے کیا جائے۔

''لو عال یتیما فجعل یکسوه ویطعمه و جعله من زکاة ماله، فالکسوة تجوز لوجود رکنه وهو التملیک'' (البحر الرائق ۲/۳۵۳)۔

البتہ اگر کوئی شخص زکوۃ دہندگان سے رقم وصول کرتا ہے تاکہ فقراء کے حوالے کرے اور وہ شخص ان رقموں کو عمارت یا دیگر اشیاء کی شکل میں فقراء کے حوالے کرتا ہے تو اسکا یہ وصول کرنا اور تصرف کرنا درست نہیں ہوگا، الا یہ کہ فقراء ان کو اپنا وکیل بنا دیں یا کوئی قرینہ ہو جس سے یہ رہنمائی ملتی ہو کہ فقراء نے وکیل بنا دیا ہے۔

''ولا یجوز قبض الا جنبی للفقراء البالغ الا بتوکیله، لأنه لا ولایة له علیه فلا بد من آمره'' (بدائع الصنائع ۱/۱۴۳)۔

اس تفصیل کے بعد سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ زکاۃ دہندگان ہی اگر زکاۃ کی رقوم سے مکانات بنا کر فقراء کے حوالہ کر دیں تو یہ درست ہے) اور شرعا اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی کمیٹی ہو جو زکاۃ وصول کرتی ہو اسے اگر فقراء کی طرف سے تصرف کا اختیار ہو تو اس کمیٹی کا مکان و عمارت وغیرہ بنا کر فقراء کے حوالے کرنے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی اور اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے۔

☆☆☆

اموال زکوۃ کے مصارف اور سرمایہ کاری

مولانا محمد مظہر الدین شمشیری

(الف) دور حاضر میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی کے خاتمہ کے لئے کچھ افراد اور جماعتوں کا یہ نقطۂ نظر کہ زکوٰۃ کی رقوم حاجت مندوں پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں تقسیم کرنے کے بجائے ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کردی جائے، یا اسے کسی نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے، اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے، اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کردیا جائے، شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے، کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ مالِ زکوٰۃ مالک کی ملکیت سے نکل کر مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت میں چلا جائے، خواہ وکالۃً فقراء کا قبضہ ہو، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں۔

"هو ركن الزكوٰة هو إخراج جزء من النصاب إلى الله و تسليم ذلك إليه يقطع المالك يده عنه بتمليك من الفقير و تسليمه إليه" (بدائع ۲/۱۴۲، فتح القدیر ۲/۲۰۸)۔

نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "آتو الزكوٰة" کے متعلق علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

" الايتاء هو التمليك" (بدائع ۲/۱۴۲)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

" و يشترط أن يكون الصرف (تمليكا)" (ردالمحتار ۳/۲۹۱)۔

مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کے مال سے کارخانہ یا فیکٹریاں وغیرہ کا قیام اس اعتبار سے درست نہیں کہ مستحقین زکوٰۃ اس کے مالک نہیں ہوئے بلکہ انہیں صرف اس کا منافع دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے جب ملکیت نہیں پائی گئی تو زکوٰۃ ہی ادا نہ ہوئی اور مستحقین زکوٰۃ کو بغیر ملکیت کے صرف منافع حاصل ہو تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: "فخرج به تمليك المنافع" (ردالمختار ۳/ ۱۷۲)۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے صرف مالک کی ملکیت سے نکلنا کافی نہیں ہے، بلکہ مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت میں پہنچنا بھی ضروری ہے، اسی لئے زکوٰۃ کے مال سے مساجد کی تعمیر، اور مسافر خانہ، آب خانہ، پل کی تعمیر وغیرہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۲/ ۱۴۲، بحر ۲/ ۴۲۴، ھندیہ ۱/ ۱۷۰، الدرمع الرد ۳/ ۲۹)۔

لیکن زکوٰۃ کے رقوم سے کارخانہ یا فیکٹری قائم کی جائے اور مختلف مستحقین زکوٰۃ کی طرف اس کی ملکیت منتقل کردی جائے، مثلاً چھوٹی صنعتیں قائم کرکے حسب ضرورت پانچ یا چھ مستحقین زکوٰۃ کو اس کا مالک بنا دیا جائے تو ایسی صورت میں یہاں تملیک پائے جانے کی وجہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور مستحقین زکوٰۃ کی معاشی پسماندگی کا تدارک بھی ہوگا، اور ان کے لئے مستقل ذرائع آمدنی بھی وجود میں آئیں گے۔

(ب) اموالِ زکوٰۃ کے استثمار کے ناجائز ہونے کی دلیل، جیسا کہ مذکور ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد: " اتو الزکوٰۃ" ہے زکوٰۃ دے دی جائے، یعنی مستحقین کو اصل مال کا مالک بنانا ضروری ہے، صرف منافع کی ملکیت منتقل کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ شامی فرماتے ہیں:" قوله (فلوأسكن عزاه في البحر إلى الكشف الكبير وقال قبله: والمال كما صرح به أهل الأصول ما يتمول ويد خر للحاجة وهو خاص باالأعيان فخرج به تمليك المنافع" (ردالمختار ۳/ ۱۷۲)۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنانا) ضروری ہے

،یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مساجد، مسافر خانہ، پل وغیرہ کی تعمیر کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی قرار نہیں دیا ہے، کیونکہ ان صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

" و یشترط أن یکون الصرف(تملیکاً) لا إباحة کما مر (لا) یصرف إلی بناء نحو(مسجد و)لا إلی(کفن میت و قضاء دینه)" (ردالمحتار ۳/۲۹۱)۔

اسی طرح کوئی شخص مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلائے تو کافی نہ ہوگا، یعنی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، بشرطیکہ وہ کھانا یا کھانے کی دوسری چیز بطور ملکیت اس مسکین کو دے دی جائے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی، ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، تملیک ادائیگی زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے (دیکھئے: شامی ۳/۱۷۲)۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی مسکین کو ایک سال تک گھر میں بغیر کرایہ کے زکوٰۃ کی نیت سے رکھا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی جارہی ہے، بلکہ صرف اسے منفعت کا مالک بنایا گیا ہے (شامی ۳/۱۷۲)، ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک بہرصورت ضروری ہے۔

لہذا اس مسئلہ میں چونکہ تملیک نہیں پائی جارہی ہے، اس لئے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر تملیک کی شرط پوری کردی جائے تو ظاہر ہے کہ تملیک پائے جانے کی وجہ سے یہ صورت درست ہوگی۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات و دوکانات تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور ملکیت انہیں نہ دی جائے تب بھی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۳- فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے دکان یا مکان تعمیر کر کے ان کے حوالے کردی جائیں اور اس کی ملکیت بھی انہیں کے سپرد کردی جائیں تو جائز ہے، کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور اس میں تملیک کی شرط پائی جارہی ہے، جیسا کہ کسی فقیر و مسکین کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا اس کے حوالے کردے تو زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے (الدر مع الرد ۳/۱۷۱) نیز حضرت مفتی رشید صاحب (احسن الفتاویٰ ۴/۳۰۰) رقم طراز ہیں: کہ کسی بھی فقیر و مسکین کو گھر یا مکان بنوا کر مالک بنادینا بلا کراہت جائز ہے۔

زکوٰۃ کے نئے مسائل

سید شفیع مشہدی

میں سمجھتا ہوں کہ زکوٰۃ کے استثمار کی اجازت ہونی چاہیے۔اس رقم سے کارخانے قائم کر کے لوگوں ،فقیروں کو روزگار مہیا کرنا اور اس کے نفع میں انہیں حصہ دار بنانا، بے حد مفید ہوگا، ایک طرف یہ معاشی مسئلہ کو بھی حل کرے گا اور دوسری جانب ان سے مستفیض ہونے والے افراد کو عزت نفس بھی عطا کرے گا۔خلافت راشدہ میں زکوٰۃ کی رقم بیت المال میں لی جاتی تھی اور اسے فلاحی کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔آج کے دور کا تقاضا ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں ،تا کہ مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا مداوا ہو سکے۔زکوٰۃ کی ادائیگی کی تملیک یا فقراء کو رہائشی مکانات ودوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے ،جیسے سوالات کی موشگافیاں تو فقہ کے ماہرین بھی کر سکتے ہیں، ایک عام مسلمان کی حیثیت سے میں یہ سوچتا ہوں کے زکوٰۃ کا نظام اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ غرباء اور کمزور افراد کی کفالت ہو سکے۔اس مقصد کے حصول کے لئے جو اقدامات کئے جائیں اور جن کا مقصد نیک ہو وہ جائز ہونے چاہئیں تو اس سلسلے میں اگر اجتہاد کی ضرورت ہو تو پس وپیش نہیں ہونا چاہیے ،یہ معاملہ وقت کی ہمہ ترین ضرورت ہے،اور اس پر جتنی جلد فیصلہ کیا جائے احسن ہے۔

☆☆☆

زکوٰۃ سے متعلق نئے مسائل

عمر افضل امریکہ

۷۹۔۱۹۷۸ میں زکوٰۃ کے مسائل پر ایک عالمی کانفرنس آرگنائز کرنے اور اس کے لئے ایک موضوع پر مضمون لکھتے وقت اندازہ ہوا کہ علماء امت نے متعلقہ مسائل پر نہ تو غور کیا ہے اور نہ ہی ان کے مجوزہ حل بہت صحیح ہیں، یہاں میں ان مسائل کو نہیں چھیڑنا چاہتا، صرف چند باتیں مختصراً عرض ہیں:

(ا) علماء متقدمین نے اموالِ زکوٰۃ کی تملیک اور دوران سال ہی تقسیم وغیرہ کے فقہی اصول اس مقصد کے پیش نظر بنائے تھے کہ اموالِ زکوٰۃ میں تصرف کو انسانی شح نفس اور بد عنوانیوں سے بچایا جا سکے، بیسویں صدی کے نصف اول تک اموالِ زکوٰۃ میں عموماً نقد میں اجناس، پھل اور جانور ہوتے تھے، سکوں کا رواج نقل کی حیثیت سے تھا، نہ کہ کرنسی کی طرح، کرنسی اور نوٹ کا تصور دونوں بہت جدید الاصل ہیں اور مسلسل تبدیل ہو رہے ہیں۔

(ب) اموالِ زکوٰۃ کی تقسیم عہد عثمانی سے ایک انفرادی عمل بن گیا تھا، اسلامی حکومت کے بیت المال میں سارے اموال زکوٰۃ کو جمع کرنے اور مرکزی سرکاری سطح سے تقسیم کرنے کا عمل رک گیا تھا، ریاستی سطح پر کسی مرکزی ادارے کا تصور اب بھی شاذ ہے، پاکستان میں اس کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور اس کی ناکامی واضح ہے، عوام کو سرکاری اداروں پر اعتماد نہیں، ناکارہ بدعنوان اہل کار اور صندوق الاموال نے جمع تقسیم کا کام اپنے ذمے لے لیا ہے، مگر ان کی بھی حیثیت نجی مشترکہ اداروں کی طرح ہے، اموال زکوٰۃ کی جمع وتقسیم اسلامی معاشرہ کی اجتماعی

ذمہ داری ہے۔

(ج) اقتصادی حالات میں تبدیلیوں اور منافع بخش غیر تجارتی رضا کارانہ اداروں کے ذریعہ ناداروں اورضرورت مندوں کے اصلاح حال میں پیش رفت نے سوچنے کا انداز بدل دیا ہے، ان کی کارکردگی کو پیش نظر رکھ کر اسلامی استحسان کا اصول اپنایا جاسکتا ہے، وغیرہ ان حالات میں اموالِ زکوٰۃ کے بارے میں بھی نئے سرے سے غور وخوض کی ضرورت ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں اموال زکوٰۃ کے بنیادی مستحق سائل اورمحروم ہیں ،اگر چہ دوسری چھ اور بھی مدات میں زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

تملیک کی بہت سی نئی شکلیں ہیں، مگر وہ اتنی در در فعہ نہیں ہونی چاہئیں کہ ملکیت کا جزء یمان بھی ختم ہو جائے، نصاب سے زیادہ کی ملکیت کا جواز بھی زیرِ غور آنا چاہئے، مختصراً میرے جوابات درج ذیل ہیں:

۱-زکوٰۃ کا استثمار درست ہے ،مگر اقتصادی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مالیاتی ماہرین یہ مشورہ دے سکتے ہیں کہ جمع شدہ اموال کا کتنا حصہ تقسیم کے لئے مختص رہے اور کتنا بزنسز میں لگایا جائے ،استثمار ملکی خزانے میں اضافے کے لئے نہیں ، بلکہ مستحق زکوٰۃ کے فائدے کے لئے ہوگا، استثمار کی جائز صورتوں کا فیصلہ بھی اقتصادی ماہرین پر چھوڑ دیا جائے گا۔

تملیک کی شرط پورا کرنے کے لئے حیل کا استعمال عرصے سے فقہ اسلامی کا جزء رہا ہے، اگر استثمار سے بالواسطہ فائدہ بھی مستحقین کو پہنچ رہا ہے تو اس کے عدم جواز کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ،مثلاً عاملین کی تنخواہیں اضافہ میں سے دی جائیں وغیرہ۔

۲-رہائشی مکانات کارخانے اوردکانوں وغیرہ کی تعمیر کے لئے اموالِ زکوٰۃ کا استعمال محل نظر ہے، کسی کی کتنی ملکیت ہے اور اس کی تقسیم ملکیت کا انتقال اور ایسے کتنے سوال جواب طلب ہیں جواب بہت سیدھا سادا ہے اور نہ آسان، اسلامی معاشرے (ریاست) کو اس کے

جزئی قوانین منضبط کرنے ہوں گے، منافع بخش غیر تجارتی رضا کارانہ تنظیموں نے ضرورت مندوں کے مسائل حل کرنے میں خاصی پیش رفت کی ہے، ان سارے تجربات سے فائدہ اٹھا کر استثمارِ اموال زکوۃ کے لئے بھی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ :

اموال زکوۃ سے سرمایہ کاری

وحید صاحب:

اموال زکوٰۃ کے استثمار کے بارے میں جو گفتگو ہو رہی ہے، مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس پر غور کیا جائے کہ زکوٰۃ کا مال کونسا ہے، کیا زکوٰۃ ادا کرنے والے زکوٰۃ کی نیت سے مال کا ایک حصہ الگ کر لیتے ہیں، اس کو ہم زکوٰۃ کہہ سکتے ہیں، اگر ہم اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں تو کیا زکوٰۃ حاصل کرنے والے کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر اگر وہ مال ضائع ہو جائے تو کیا زکوٰۃ ان سے ساقط ہو جائے گی، اسی طرح کے فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں جو لکھا ہوا ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے، یا زکوٰۃ کے مال سے میت کو کفن دینا جائز نہیں ہے یا میت کے قرض کو ادا کرنا صحیح نہیں ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے اگر ان کا کفن دے دیا گیا تو کیا وہ دینے والا گنہگار ہوگا، یا یہ مطلب ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ظاہر بات ہے کہ جو میت کے کفن میں مال دیا گیا ہے وہ زکوٰۃ نہیں ہے تو اس طرح اگر زکوٰۃ ادا کرنے والے اپنے مال کا کچھ حصہ یہ کہہ کر کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اس سے فیکٹری قائم کر لیتے ہیں، تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ وہ کارخانہ زکوٰۃ کے مال کا بنایا ہوا ہے، یا جب تک وہ فقیر کے حوالہ نہیں کرتے ہیں اس وقت تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کارخانہ زکوٰۃ کے مال کا بنایا ہوا ہے، یا جب تک وہ فقیر کے حوالہ نہیں کرتے ہیں اس وقت تک اس کو ہم زکوٰۃ نہیں کہیں گے یا کیا اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی نیت سے اپنے مال کا کچھ حصہ الگ کر لیا ہے اور اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنی ذات میں اس پیسہ کو خرچ

کر لے یا اپنی بیوی، بال بچوں کی ذات میں خرچ کر لے تو کیا اس کو گنہگار کہا جائے گا یا ہم کہیں گے کہ اس کی زکوٰۃ ابھی ادا نہیں ہوئی، اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی سے وہ بری ہوگا جب وہ فقیر کے حوالہ کر دے، اس لئے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی طرف سے اپنے زکوٰۃ کے مال سے کارخانہ قائم کرنے کا کوئی تصور ابھی فی الحال میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، اس لئے کہ جس مال کے وہ کارخانہ قائم کریں گے اس کو زکوٰۃ کا مال کہنا یہ خود قابل غور ہے اس پر غور کرلیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرض مسئلہ میں آگے ایک تجویز پیش کی گئی ہے کہ اگر کارخانہ قائم کیا جائے اور شیئرز کا مالک فقراء کو بنا دیا جائے اس میں ایک سوال یہ ہے کہ اگر یہ فقراء کو شیئرز کا مالک بنانے کے لئے، ان کو سرٹیفکٹ دے دیں تو صرف اس سے ان کی ملکیت ثابت ہو جائے گی؟، اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ اگر فقیر کو صرف بینک کا چیک دے دیا جائے تو جب تک وہ بینک سے رقم نہیں برآمد کر لے تو اس رقم کا وہ مالک ہو جائے گا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اسی طرح اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ (ب) میں بھی ایک تجویز دی گئی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی ذمہ دار شخص کو یا ذمہ دار ادارے کو یا کمرے کی دی جائے اور وہ اس سے فیکٹری قائم کریں، پھر اس کی آمدنی سے زکوٰۃ کی رقم کسی ذمہ دار شخص کو یا ذمہ وار ادارے کو یا کمرے کو دی جائے اور وہ اس سے فیکٹری قام کریں، پھر اس کی آمدنی سے زکوٰۃ کی مد میں خرچ کریں تو اگر ہم اس بات پر غور کرلیں کہ جو رقم کارخانہ قائم کرنے میں لگائی گئی ہے، وہ تو اصل زکوٰۃ کی رقم ہی نہیں ہے، جب تک کہ پھر اس کی آمدنی سے زکوٰۃ کی نیت سے ہم رقم غرباء اور مساکین کو نہیں دیدیں گے، اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی تو پھر اس صورت کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ کسی کمپنی یا ذمہ دار شخصیتوں کو دیا جائے پھر وہ زکوٰۃ ادا کریں، بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے والے خود اپنی رقم سے جب کارخانہ قائم کریں گے، تو جب تک کہ اس کی آمدنی کے رقم ادا نہیں کر دیتے ہیں غرباء کو، فقراء کو اس وقت تک وہ زکوٰۃ کی ذمہ داری سے فارغ نہیں ہوں گے وہ خود بھی

ادا کر سکتے ہیں، تو انہوں نے جو کارخانہ قائم کیا ہے وہ کارخانہ زکوٰۃ کی رقم کا یا ان کی ذاتی رقم کا ہے البتہ اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں جو تاخیر ہو سکتی ہے اس پر غور کیا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ گنہگار رہوں گے یا نہیں، البتہ اگر بیت المال کا نظام قائم ہو اور بیت المال کو مساعی زکوٰۃ کی رقم دے دیا جائے تو فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے بری الذمہ ہو جائیں گے ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی تو البتہ وہ رقم جو بیت المال میں ہے اس کو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم ہے اور اس کے بارے میں یہ غور کیا جا سکتا ہے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جیسا کہ مولانا نے عرض میں پیش کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے کے اب تک اس کی کوئی نظیر نہیں کی زکوٰۃ کی جمع شدہ رقم اس کے مصارف کے علاوہ کوئی دوسری جگہ میں خرچ کیا جائے قرآن نے خود اس کا مصرف بیان کر دیا ہے، اس لئے استثمار اس مصرف میں داخل نہیں ہے، اس لئے بیت المال کے لئے اور حکام کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم کو استثمار کے لئے استعمال کریں، یہ بات مجھے کہنی تھی اس پر غور کر لیا جائے۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی:

زکوٰۃ کے استثمار سے متعلق عرض مسئلہ میں اس بات پر بہت شدت سے زور دیا گیا ہے کہ استثمار کے سلسلہ میں تملیک کی شرط کا ہونا یا نہ ہونا اور اس پر رائے ظاہر کی گئی ہے، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جتنے بھی استثمار کے قائل لوگ ہیں ان کا بھی یہ کہنا ہے کہ یہ کام انفرادی یا زکوٰۃ ادا کرنے والے پر نہ چھوڑا جائے، بلکہ جو مسلمانوں کے ارباب حل وعقد ہوں یا ان کا کوئی ادارہ ہو ان کے سپرد کریں جو پورے طور پر اس پر غور کر کے اس کا فیصلہ کریں وہ اس کا بھی قائل نہیں ہے کہ فقراء اور مساکین کی فوری ضرورتوں کو نظر انداز کر کے استثمار کیا جائے، ظاہر ہے کہ فقراء اور مساکین کے علاوہ چھ اور بھی مستحقین زکوٰۃ ہیں، اگر برابر حصوں میں بانٹا جائے تو صرف ایک

۴ر ۱ حصہ فقراء اور مساکین کو ملے گا اور ۴ر ۳ حصہ زکوٰۃ کا دوسری مدات میں ہے اس میں خاص طور سے چار میں تو لام تملیک تو لگا بھی نہیں ہے، گویا پچاس فی صد ایسے ہی جن پر تملیک، میں سمجھتا ہوں کہ شاید تملیک کے قائلین بھی قائل نہیں ہوں گے، اس لئے کہ ان کا ذکر ''فی'' کے ذریعہ آیا ہوا ہے اور ضروری نہیں کہ یہ اصحاب موجود بھی ہوں کہ آپ فوری طور پر انہیں ان کے حوالہ کیا جائے ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ استثمار کی گنجائش نکلتی ہے، لیکن اس سے الگ خاص طور سے اس چیز کی طرف قائلین تملیک کی توجہ چاہوں گا یہ ہے کہ عام طور سے ایسا ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ کی تحصیل اور کلیکشن سے لے کر اس کی تقسیم تک کچھ سرمایہ ہمیشہ پڑا رہے، مثال کے طور پر سال میں دس کروڑ زکوٰۃ جمع ہوتی ہے کسی ادارے کے پاس ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک کروڑ ہر وقت اس بیت الزکوٰۃ میں موجود رہتی ہو، تو کیا اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے کہ اس رقم کو کثیر المدت سرمایہ کاری، یعنی مرابحہ کے طور پر یا فوری طور پر جس کے ثمرات ایک سال کے اندر یا تین چار ماہ کے اندر دیکھے جاسکتے ہوں، کیا ایسا بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں کیا سکتا ہے، خاص طور سے میں ایک مسئلہ کے طور پر ان کی توجیہ چاہوں گا جو تملیک کی وجہ سے استثمار کے قائل نہیں ہیں، باقی جو لوگ قائل ہیں ان کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

مولانا ابوالعاص وحیدی:

زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں جو بحث ہے تملیک کی وہ اصل میں تملیک ذاتی کی بحث ہے، یعنی کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ذاتی طور پر کسی فقیر، مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے یا نہیں، اسی لئے جو مختلف سوالات اس سے متعلق ہیں، ایک سوال یہ بھی ہے کہ عامل علی الصدقہ، یعنی جو صدقہ کے وصول کرنے اور جمع کرنے کا ذمہ دار ہو تو کیا عامل علی الصدقہ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوئی یا نہیں ہوئی، تو اس سلسلہ میں بعض چیزیں قرون اولیٰ میں ملتی ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر عامل علی الصدقہ کو یا موجودہ ہندوستان میں جو لوگ محصلین ہیں زکوٰۃ

وصول کرتے ہیں ان محصلین کو اگر زکوٰۃ کو دینے والا زکوٰۃ دیدے تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں ایک روایت ہے، مسند احمد کی جس کے راوی ہیں حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا......... فقد برئت من الی اللہ ورسولہ یہ سوال کیا آنے والے شخص نے آپ ﷺ نے جواب دیا: نعم إذا الی سول فقد برئت فی الی اللہ ورسولہ فلک اجرھا واثمھا علی من بدلا، مسند احمد کی روایت ہے، اور اس روایت کے راوی کو میں نے دیکھا ہے اسماء الرجال کی کتابوں میں یہ روایت درست ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عامل علی الصدقہ کو اگر زکوٰۃ دینے والے نے زکوٰۃ دے دی، اس کے حوالہ کر دی تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگئی، حالانکہ زکوٰۃ دینے والے نے کسی فقیر کو کسی مسکین کو ذاتی طور پر مالک نہیں بنایا، بس یہ حسن ظن رہا کہ عامل علی الصدقہ چوں کہ حکومت کا نمائندہ آیا لہٰذا وہ صدقہ اور زکوٰۃ کی رقم لے جائے گا، بیت المال جمع کرے گا اور اسلامی نظام حکومت اسے فقراء اور مساکین میں خرچ کرے گا تو اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ براہ راست تملیک ذاتی ضروری نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

انشاء اللہ مولانا عتیق احمد صاحب ابھی آپ حضرات کے سوالات کے بارے میں وضاحت کریں گے، بعد نماز مغرب انشاء اللہ ہمارے عرب مہمان اس پر اظہار خیال فرمائیں گے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ابھی ہمارے بعض علماء نے بعض نکات پیش کیے ہیں، اس مسئلہ کے تعلق سے تین حضرات کی گفتگو ہمارے سامنے رکھی گئی، ایک بات تو یہ ہے کہ استثمار کی جو بات چل رہی ہے اس

کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ نکالنے والے خود زکوٰۃ نکال کر گویا اس سے کارخانہ قائم کر رہے ہیں، اور اس اضافہ کے منافع کو وہ فقراء پر تقسیم کریں گے، بلکہ مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی ادارہ کوئی اجتماعی نظم ایسا قائم ہو اور کچھ ایسے حضرات جو دیانت دار اور صاحب تقویٰ ہو ان کے ذمہ یہ کام کیا جائے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم حاصل کر کے اس سے بڑے پیمانہ پر کوئی کارخانہ قائم کرے، کوئی فیکٹری قائم کرے اور اس کے منافع کو فقراء پر تقسیم کرے، ظاہر بات ہے کہ جب اجتماعی نظم بڑا بنتا ہے تو پھر اس صورت میں ہر آدمی کو باخبر رہنا کہ یہ زکوٰۃ کہاں گئی، کیا اس کا نظام بنا، کہاں تک پہنچی، یہ مسئلہ بہت مجمل رہتا ہے۔

ایک دوسری بات جو مولانا نے اٹھائی ہے اور بہت اہم بات ہے کہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی، زکوٰۃ کی نیت سے رقم ہم نے نکالی، الگ کی اس کے بعد ہم نے اس سے کارخانہ قائم کر دیا، مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اور یہ رائے ہونے کی بنیاد پر کہ زکوٰۃ سے مال سے استثمار درست ہے، تو مسئلہ یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی یا ایسے کرنے سے وہ آدمی گنہگار ہوا ظاہر بات ہے کہ زیر بحث سوال یہی ہے کہ کسی نے زکوٰۃ کی رقم کسی ایسے ادارہ کو دی جو استثمار کا عمل کرتا ہے وہ زکوٰۃ کی رقمیں جمع کر کے اور اس مال سے کارخانے قائم کرتا ہے اور اس کے منافع کو فقراء پر تقسیم کرتا ہے، گفتگو یہی ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ہوئی، جبکہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ زکوٰۃ میں ادا کر رہا ہوں، زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے رقم کسی ادارہ کو ادا کرتا یہ درست ہے کہ نہیں، تو جو حضرات اس کو ناجائز کہتے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ زکوٰۃ ان کی ادا نہیں ہوئی اس کو دوبارہ زکوٰۃ نکالنی پڑے گی اور اگر مسئلہ غلط معلوم ہے یا جواز کی بات کسی نے بتادی ہے تو پھر اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ اسلامی حکومت قائم ہو اور امام یا سلطان کی طرف سے باقاعدہ محصلین ہوں جو زکوٰۃ وصول کرتے ہوں، یہ بات تو تقریباً متفق علیہ ہے کہ جب سلطان

کے عامل کو، محصل کو زکوۃ دیدی گئی تو زکوۃ دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا، اب اس کی ذمہ داری یہ نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس تجسس میں رہے کہ یہ زکوۃ کہاں گئی، کہاں خرچ ہوئی وہ اعتماد کرے اجتماعی نظام پر، حالانکہ یہ بات بھی ہمارے ذہن پر رکھنے کی ہے کہ اس مسئلہ میں بعض فقہاء نے اس کو افضل قرار دیا ہے کہ آدمی اپنی زکوۃ خود ادا کرے، تاکہ یہ بات یقینی ہو کہ زکوۃ مستحق تک پہنچی، خاص کر جب نظام میں کچھ گڑبڑی پیدا ہوئی اس طرح کے سلاطین اور حکمراں ہوئے جو بیت المال میں احتیاط سے کام نہیں کرتے تھے تو بہت سے فقہاء نے یہ رائے اختیار کی کہ اس میں خود ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اب یہ الگ مسئلہ ہے کہ اس میں کئی آراء سامنے آتی ہیں، لیکن بہر حال جب اجتماعی نظام قائم ہو اور بیت المال کا، خلیفہ اور اس کا عمل موجود ہو تو اس کو زکوۃ دینے سے دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا، لیکن اب بیت المال کے جو ذمہ دار ہیں خلیفہ یا سلطان ان کی کیا ذمہ داری ہونی چاہئے کیا ان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ زکوۃ کی رقم سے مستحقین کو دینے کے بجائے ایسا کوئی کام کرے اور جو منافع اس سے حاصل ہو اس منافع کو فقراء اور مستحقین کو پہونچائے تو اس بارے میں مجھے عرض کرنا ہے کہ فقہاء کے یہاں اس کی بہت سی صراحتیں موجود ہیں اور مصارف زکوۃ کی جو آیت ہے اس کے اصل مخاطب حکومت اسلامیہ ہیں، اسی لئے اس میں عاملین کا ذکر ہے، جب اس طرح کا نظام ہوگا تو اس میں ایک اچھی خاصی رقم عمال پر خرچ ہوگی جو بیت المال کی ذمہ داری بنتی ہے، لیکن یہاں جو صورت حال ہندوستان میں ہے یا دنیا کے اکثر ملکوں میں ہے کہ اسلامی نظام تو قائم ہے نہیں، ہمارے یہاں مدارس قائم ہیں، تو کچھ لوگوں نے بیت المال قائم کیا، سوال یہ ہے کہ ان کے نمائندوں کو زکوۃ دینے سے زکوۃ دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا یا نہیں؟ اصحاب علم کو معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء کے یہاں دو موقف ہے، ایک موقف تو یہ ہے کہ جس طرح کے سلطان کے زمانے میں، سلطان کی موجودگی میں اس کے نمائندے کو زکوۃ دینے سے

زکوٰۃ دینے والے کا ذمہ فارغ ہوجاتا تھا ایسے ہی اس دور میں بھی اجتماعی یا دینی کام کررہے ہیں یا زکوٰۃ کے مستحقین کے لئے بہت سے کام کررہے ہیں، ان کی طرف سے مقرر کردہ محصلین کو زکوٰۃ دینے سے گویا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، لیکن دوسرا موقف یہ ہے کہ نہیں، ہاں سلطان کے عامل کی بات اور ہے، بڑے پیمانے پر یا چھوٹے پیمانہ پر جو لوگ اپنا اپنا ادارہ قائم کرلیتے ہیں، اور اگر ان کے نمائندے کو زکوۃ آپ دے دیں، اس کے نمائندے سے مال ضائع ہوگیا یا آپ کو معلوم ہے کہ وہ مصرف میں صرف نہیں ہوا تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی۔

اب یہ مسئلہ خود مفصل ہے اس میں دورائے ہے، حضرت تھانویؒ کا موقف ہے جو آپ کے علم میں ہے پھر حضرت سہارنپوری کا موقف ہے، دوالگ الگ موقف ہے، یہ گفتگو طویل ہو چکی ہے، زیر بحث مسئلہ یعنی استثمار کے تعلق سے یہی بات عرض کرنی ہے کہ جب زکوٰۃ کی رقم کسی نے کسی ایسے ادارہ کو دیدی جو استثمار کرتا ہے تو اس صورت میں اگر ہم سلطان کا نائب اس کو مان لیں یا خلیفہ اس کو مان لیں، اس کے باوجود بھی چونکہ ہم کو معلوم ہے کہ رقم اس طور پر خرچ نہیں کی جارہی ہے کہ باقاعدہ فقراء کو دے دی جائے، بلکہ اس کا ادارہ قائم کردیا گیا جس کا نفع صرف فقراء کو پہنچانا ہے تو میں نے جو عرض کیا ہے تفصیل کے ساتھ کہ سلطان کو بھی اختیار نہیں ہے کہ زکوٰۃ دینے کے بعد اس کا صرف اس انداز سے کرے کہ مالک نہ بنایا جائے مستحقین زکوٰۃ کو، بلکہ ان کے منافع صرف پہنچتے رہیں تو پھر عام آدمی کو کیسے اس کا حق حاصل ہوجائے گا؟

اور دوسری بات جو ڈاکٹر عبدالعظیم صاحب اصلاحی نے بتائی کہ استثمار کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ موقوف ہے تملیک پر، حالانکہ عرض میں ایسی بات نہیں ہے، جو لوگ استثمار کو جائز کہتے ہیں، ان کے چند دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بہت اہم اور بنیادی چیز ہے، لیکن بہرحال دلائل اس کے علاوہ بھی موجود ہیں اور تملیک کا لزوم وعدم لزوم اس کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی دلائل پائے جاتے ہیں، اور یہ بات بڑی

اچھی انہوں نے اٹھائی ہے، پر میں سمجھتا ہوں کہ اس پر سب کو اتفاق ہوگا اور ہے، جو لوگ گنجائش کی بات کر رہے ہیں، ان کے یہاں گنجائش کے لئے شرط یہی ہے کہ اجتماعی نظم ہو، اجتماعی نظم نہ ہونے کی صورت میں تماشہ بن جائے گا، جیسا کہ آج بہت سے ادارے تماشہ بنے ہوئے ہیں، اس وقت جو موجودہ صورت حال چل رہی ہے ہمارے ملک میں اور بہت سے ملکوں میں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں کوئی ایسا اجتماعی نظم قائم نہیں ہے اور قائم کرنا آسان بھی نہیں ہے، کنٹرول مشکل ہے، جس میں غلط کام کرنے کے جراثیم ہوں وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، ادارے قائم کیے اور رقمیں کہیں بھی خرچ کر دی، اس لئے اجتماعی نظم کے بغیر اگر اس کی گنجائش دی جاتی ہے تو یہ بہت خطرناک عمل ہے، اور اجتماعی نظم کا قیام ایک مستقل عمل ہے، اور ایک آخری بات جو انہوں نے فرمائی تھی کہ زکوٰۃ کی رقمیں جمع رہتی ہیں بسا اوقات ایک کروڑ، دو کروڑ جمع ہو جاتی ہے، اس کی فوری ضرورت نہیں ہے تو کیا اس کو مرابحہ میں لگانا یا کسی ایسی شکل میں جس سے نفع پیدا ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ جو گفتگو ہم نے کی ہے اس مسئلہ پر اس میں سوال خود بخود آ گیا، مرابحہ پر آپ دیں یا مضاربت پر یا کسی طور پر بھی آپ دیں وہ آخر استثمار ہی ہے اور جو خوبیاں اور خرابیاں وہاں ہیں وہی یہاں بھی ہوں گی۔

مولانا ابو العاص وحیدی صاحب نے جو بات فرمائی ہے کہ تملیک ذاتی کی گویا کوئی اہمیت نہیں ہے اس بارے میں، میں نے عرض کیا کہ اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر واقعی اسلامی حکومت قائم ہو اور اس کے عامل کو ہم نے زکوٰۃ دیدی تو دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا، لیکن خود وہ لوگ جو سلطان ہیں، ان کی ذمہ داری کیا بنتی ہے؟ وہ کس طرح صرف کریں کیا وہ پابند ہیں اس کے کہ نہیں؟ کہ زکوٰۃ کو باقاعدہ مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کریں، ان کے حوالہ کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں جو تصریحات فقہاء کی ہیں اور کتاب وسنت کے جو دلائل ہیں وہ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ جس طرح ایک فرد اس کا پابند ہے، ایسے ہی وہ حکومت کے وزراء بھی پابند ہیں جو زکوٰۃ جمع

کرتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی اسی انداز سے دیئے جائیں کہ فقراء اس کے مالک ہو جائیں اور جہاں چاہیں اپنی ضروریات میں صرف کریں، کسی کو نفع پہنچانا دوسری چیز ہے اور مالک بنانا دوسری چیز ہے، مالک بنانے میں اور اس کو نفع پہنچانے میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے، ایک آدمی نے کسی کی شاندار دعوت کردی، وہ آیا اور کھا کر چلا گیا، جبکہ عین ممکن ہے کہ گھر میں اس کے بچے بھوکے ہوں، ممکن ہے اور کوئی ضرورت ہو کپڑا خریدنا ہو، اس میں وہ صرف کرسکتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ نکات بہت سارے ہمارے سامنے آگئے اور انشاء اللہ کمیٹی ترتیب دی جائے گی اس میں تمام نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اور آپ کے مناقشات اور مقالوں کو سامنے رکھتے ہوئے انشاء اللہ کوئی اچھی تجویز جو متفق علیہ ہو وہ سامنے آئے گی۔

مفتی شیر علی گجراتی:

استثمار باموال الزکوٰۃ اس میں جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اقوال مفصل موجود ہیں، "تؤخذ من أغنيا ئهم و ترد على فقرائهم" (ترمذی ۳۶/۲)، ان اغنیاء سے لیا جائے اور فقراء پر واپس کیا جائے اور قرآن مجید کے عام الفاظ: " خذ من أموالهم صدقة" اور کہیں "نحلة " یا کہیں اور: " يؤ تون الز كوٰة " وغیرہ وغیرہ عام الفاظ ہی ہے کہ ان سے زکوۃ کا مال لے لو اور غربا پر تقسیم کردو، حضور ﷺ سے لے کر آج تک یہی چلا آرہا ہے کہ اپنے زکوۃ کا مال کسی غریب کو دیا، یا زیادہ سے زیادہ کسی ادارے کے سفیر یا کوئی ادارہ کا آدمی آکر بولا اسے، دریافت کیا آپ کے یہاں زکوۃ کا مصرف اور مد ہے اس نے جواب دیا، تو لوگ اس کو زکاۃ دے دیتے ہیں، کوئی کارخانہ قائم کرنا، کوئی اور کام کرنا اس کی کہیں مثال میرے خیال میں نہیں ہے، ایک بات تو یہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جو کارخانے قائم کریں گے، دکان لگائیں گے، اس کی نگرانی کون کرے گا، یہ کرے گا کون؟ اور موجودہ دور کی جو حالت ہے کہ دیانت داری کم اور حکومت کی طرف سے پابندیاں بہت ـــــــ اول تو فائدہ مشکل ہے۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ دیانت دری کا مسئلہ بھی ہے، اب ظاہر بات ہے کہ مالک مال تو یہ نہیں کر سکتا وہ تو دیدیتے ہیں، تو اب یہ ادارے کا کام ہے کہ وہ مال جمع ہو گیا اور کوئی مکان خرید لیا اور اب اس کا کرایہ ہے یا کوئی اور چیز کمپنی قائم کر دی تو اس بارے میں موجودہ دور میں تو یہی ہے کہ لوگوں میں بدیانتی ہے، جس کو دیا جائے وہی قبضہ کر کے کھا جائے گا، اور صحیح غرباء اور مستحقین تک زکوۃ نہیں پہنچ پائے گی، ان تمام مضمرات پر ہمیں باریک بینی سے غور کرنا ہو گا۔

☆☆☆